مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

کلاس ایم۔اے

سمسٹر اول

مضمون : دکنی ادب

کورس نمبر : 102

یونٹ : I-IV

سبق : ۱۔۱۵

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک
کورس کوآرڈی نیٹر، ایم اے اردو، سی، ڈی، او، ای
صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ
انچارج ٹیچر، اردو
سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

© جملہ حقوق محفوظ ہیں۔اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام مرکز برائے فاصلاتی و آنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

مضمون نگار:

پروفیسر محمد ریاض احمد

(پروفیسر شعبہ اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں)

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

اڈیٹنگ:۔

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ اسسٹنٹ پروفیسر

انچارج ٹیچر، اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

نظر ثانی:۔

پروفیسر محمد ریاض احمد

(پروفیسر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں)

استقبالیہ پیغام

عزیز مُتَعلِّم

سمسٹر دوم کے کورس "دکنی ادب " میں آپ کا خیر مقدم ہے۔

یہ کورس دکنی ادب کی تاریخ، ارتقا اور ادبی خصوصیات سے آگاہی فراہم کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے آپ دکن میں اردو زبان وادب کے آغاز، اس کی ترقی، اہم ادبی اصناف اور نمایاں شعراء و ادباء کے ادبی کارناموں کا مطالعہ کریں گے۔ دکنی ادب اردو زبان وادب کے قدیم اور گراں قدر سرمائے کا ایک اہم حصہ ہے، جس نے اردو کے ارتقا، ترویج اور ادبی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس کورس کے مطالعے سے آپ دکنی ادب کے تہذیبی، ثقافتی اور ادبی پہلوؤں کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس کورس کا سنجیدگی اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کریں گے اور دکنی ادب کے مختلف موضوعات سے بھرپور استفادہ حاصل کریں گے۔

آپ کی علمی اور ادبی کامیابی کے لیے نیک تمناؤں کے ساتھ۔

ڈاکٹر پی پی سنگھ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم۔ یونیورسٹی آف جموں، جموں۔

Syllabus and Courses of Study in the Subject of Urdu under NON-CBCS Scheme (CDOE)

SEMESTER- I
COURSE CODE URD-102

Examination to be held in December 2025, 2026 and 2027

Title :-Daccani Literature (دکنی ادب)
Duration of Examination :-2:30 hours

Credits:-4
Maximum Marks: 100
a) Semester External:70
b) Internal Assessment: 30

Objectives:-
This course envisages to make the contents conversant with the history of Deccani literature.Efforts shall be made to provide the students full information about Deccani writers.

UNIT-1

۱۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات

۲۔ ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش

۳۔ دکنی اردو کی لسانی خصوصیات

UNIT-II

۱۔ بہمنی دور

۲۔ قطب شاہی دور

۳۔ عادل شاہی دور

UNIT -III

۱۔ قصیدہ اور مرثیہ (دکن)

۲۔ مثنوی (دکن)

۳۔ غزل (دکن)

۴۔ داستان (دکن)

UNIT-IV

۱۔ ولیؔ دکنی کی سوانح حیات

۲۔ ولیؔ دکنی کی شعری خدمات

۳۔ سراجؔ اورنگ آبادی کی سوانح حیات

۴۔ سراجؔ اورنگ آبادی کی شعری خدمات

Internal Assessment carry 30% marks in each course .The format of the Internal Assessment Assignments is given below:

There will be two Internal Assessments.

ASSIGNMENT 1: Long Answer Questions
Out of the two questions Given, the learner hass to attempt any one question in 800-1000 words. (15X1=15 marks)

Assignment 2: Short Answer Questions
There will be two questions, the learner has to attempt all the two questions. Words Limt 350-450 words.

Mode of examination:-

There are four units in the course No:-102

Mode of the examination:-The term and examination shall carry 70%marks in each course.The format of the question paper is given below.

Term End Examination would be of 70 marks.Two short type questions from unit I and II having 7marks each be asked.Two descriptive type questions from unit III and IV of 14marks each be asked .Two short type questions from

unit III and IV having 7marks each be asked.14objectives type questions of 14 marks carrying 1 mark each be also asked from unit III and IV.There shall be choice in short and descriptive type questions.

Books recommended:-

حوالہ جاتی کتب:۔

۱۔ دکن میں اردو۔نصیرالدین ہاشمی

۲۔ تاریخ ادب اردو۔رام بابوسکسینہ

۳۔ تاریخ ادب اردو۔جمیل جالبی

۴۔ اردو کی نثری داستانیں۔گیان چندجین

۵۔ قدیم اردوادب تنقیدی تاریخ۔محمد حسن

۶۔ دکنی ہندی اوراردو۔ڈاکٹرنصیرالدین ہاشمی

۷۔ دکن میں اردوشاعری ولی سے پہلے۔ڈاکٹرمحمد جمال شریف

۸۔ دکنی کلام اوراسلامی تاریخ۔ڈاکٹر ابوالنصر محمد

۹۔ اردوشاعری کا فنی ارتقا۔ڈاکٹرفرمان فتح پوری

۱۰۔ اردومثنوی کا ارتقا۔عبدالقادر سروری (۲۰۰۲ء) ناشر:ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ

۱۱۔ دکنی نثر کا انتخاب دوسرا ایڈیشن (۱۹۹۷ء)۔ڈاکٹر سیدہ جعفر ناشر: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

۱۲۔ تاریخ مثنویات اردو (پہلا ایڈیشن (۱۹۹۳ء) ڈاکٹر رضوان احمد، رام نرائن لال، ارن کمار، کٹرہ روڈ الہ آباد

۱۳۔ اردو نثر کا فنی ارتقا۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۱۴۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔احتشام حسین

۱۵۔ اردو ادب کی تحریکیں۔(ابتدا تا (۱۹۷۵ء) ڈاکٹر انور سدید

فہرست

سبق نمبرا۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات ________ 7

سبق نمبر۲۔ ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش ________ 16

سبق ۳۔ دکنی ادب کی لسانی خصوصیات ________ 33

سبق ۴۔ بہمنی دور ________ 41

سبق ۵۔ قطب شاہی دور ________ 52

سبق ۶۔ عادل شاہی دور ________ 63

سبق ۷۔ قصیدہ (دکن) ________ 74

سبق ۸۔ مرثیہ (دکن) ________ 84

سبق ۹۔ مثنوی (دکن) ________ 102

سبق ۱۰۔ غزل (دکن) ________ 121

سبق ۱۱۔ داستان (دکن) ________ 133

سبق ۱۲۔ وؔلی دکنی کی سوانح حیات ________ 141

سبق۱۳۔ ولؔی دکنی کی شعری خدمات ____ 152
سبق۱۴۔ سراؔج اورنگ آبادی کی سوانح حیات ____ 166
سبق۱۵۔ سراؔج اورنگ آبادی کی شعری خدمات ____ 175

سبق نمبر ا۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات

ساخت:۔

1.0۔ اغراض ومقاصد

1.1۔ تعارف

1.2۔ دکن میں اردو زبان

1.3۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی ومعاشرتی محرکات:۔

1.4۔ عمومی جائزہ

1.5۔ فرہنگ

1.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

1.7۔ مشقی سوالات

1.8۔ مشقی سوالات کے جوابات

1.9۔ امدادی کتب

1.0۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکن میں اردو زبان کے آغاز اور ارتقا کے سماجی ومعاشرتی پس منظر کو اچھی

طرح سمجھ سکیں اور یہ واضح کرسکیں کہ مختلف قوموں، زبانوں اور تہذیبوں کے باہمی اختلاط نے اردو زبان کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ دکن کے سیاسی حالات، فوجی نظام اور عوامی روابط نے اردو کو ایک مشترکہ زبان کے طور پر فروغ دینے میں کس طرح مدد فراہم کی۔ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکن میں صوفیائے کرام، علما اور درباروں کے اثرات کا تجزیہ کرسکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ عوام تک اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے سادہ اور مقامی زبان کے استعمال نے اردو کو مقبول بنانے میں کس قدر اہم کردار ادا کیا۔ مزید یہ کہ آپ اس بات کو بھی سمجھ سکیں گے کہ بازار، روزمرہ زندگی اور مختلف طبقات کے میل جول نے اردو زبان کو ایک زندہ اور متحرک صورت عطا کی۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ دکن میں ہندی، فارسی، عربی اور مقامی بولیوں کے امتزاج سے اردو زبان کی ساخت کس طرح وجود میں آئی اور کس طرح اس زبان نے ایک وسیع ثقافتی نمائندگی حاصل کی۔ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکن کی تہذیب و معاشرت اور اردو زبان کے باہمی تعلق کو واضح انداز میں بیان کرسکیں۔ مزید برآں آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ دکن میں اردو زبان کے فروغ نے بعد میں شمالی ہند میں اس کی ترقی کی راہ ہموار کی اور اس کے اثرات کس طرح پورے برصغیر میں پھیلے۔ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ اردو زبان کی ترقی میں سماجی اور معاشرتی عوامل کی اہمیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کرسکیں گیں۔

مختصر یہ کہ اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات، اس کی تشکیل کے اسباب اور اس کے تاریخی و ثقافتی پس منظر کو جامع انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

1.1۔تعارف:۔

اردو زبان و ادب کا یہ دور جسے ہم دکنی دور سے تعبیر کرتے ہیں، غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ہندوستان کے جنوبی علاقے میں بولی جانے والی دکنی اردو واحد آریائی زبان ہے۔ جس نے اردو کی ثقافتی اور ادبی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ دکنی کی لسانی ساخت نے صدیوں پہلے فارسی اور مقامی زبانوں کے ساتھ مل کر تشکیل پائی۔ ہر زبان کی تاریخی لسانی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی لسانی اہمیت بھی ہوتی ہے۔ سماجی لسانیات کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس زبان کا اپنے سماج کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ اور ان میں بتدریج رونما ہونے والی تبدیلیوں کی پوری پوری عکاسی بھی کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سماجی لسانیات کا دائرۂ عمل اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے اور اس کی حدیں

لامتناہی ہیں۔اپنے لسانی لب ولہجہ سے دکنی منفرد لسانی آہنگ رکھتی ہے جو اسے اردو کی دیگر علاقائی بولیوں سے ممتاز کرتی ہے۔

1.2۔دکن میں اردو زبان:۔

سرزمین دکن طویل عرصے سے علم وادب کا گہوارہ رہی ہے۔ہندوستان میں بسنے والی سب سے قدیم قوم دراوڑی رہی ہے جن کا وطن سندھ کا علاقہ تھا۔آریائی قوم نے دراوڑیوں کو سندھ سے نکال دیا۔اس طرح ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ۶۰۰ قبل مسیح تک دراوڑی قوم سندھ سے پنجاب اور پھر پنجاب سے دوآبہ گنگ وجمن سے سفر کرتی ہوئی دکن پہنچی۔آریاؤں کے چاروں ویدوں میں (رگ وید، سام وید، اتھروید اور یجروید) دکھشن پتھ کا ذکر ملتا ہے۔اس لیے سنسکرت میں استعمال ہونے والے لفظ دکھشن کا استعمال اس دور میں جنوبی ہند کے لیے ہوتا رہا ہے۔ دکھشن کا لفظ دکھن اور پھر آخر میں دکن بن گیا۔دراوڑیوں نے سب سے پہلے دکن کے علاقے کو اپنا مرکز بنایا۔دکن کے علاقے میں موجود لوگوں کی بول چال کی زبانیں علاقہ دکن کے اعتبار سے دکنی کے نام سے مشہور ہوئیں۔یہ زبانیں پہلے بول چال کی زبانیں رہیں۔غرض لفظ دکن کی اصل سنسکرت زبان ہے۔اس دور میں سارے جنوبی ہند میں آریاؤں کی دو زبانوں مہاراشٹری اپ بھرنش کے علاوہ مغربی ہندی کی مختلف بولیوں کا چلن عام تھا۔اس زمانے میں گجرات اور مالوہ کے علاقے ہی نہیں بلکہ تامل ناڈو اور کیرل کے علاقے جنوبی ہند کا حصہ ہیں۔جنوبی ہند میں دراوڑی زبانوں کا چلن عام تھا۔مختلف علاقوں میں مختلف دراوڑی زبانیں جنوبی ہند کی شناخت میں کرناٹک میں کنڑی، مدراس میں تامل آندھرا اور تلنگانہ میں تلگو، کیرل میں ملیالی یہ ایسی زبانیں تھیں جنھیں دراوڑی زبانوں کی شاخوں کا درجہ حاصل تھا۔کنڑی، تلگو، تامل اور ملیالی کے علاوہ دکھشن پتھ میں آریائی زبانوں کا چلن بھی عام تھا۔مہاراشٹرا کے علاقے میں مرہٹی زبان مکمل آریائی زبان تھی۔اس طرح گجرات اور مالوہ کے علاقے میں آریائی زبان گجراتی کا چلن عام تھا۔اس کے علاوہ چار دراوڑی زبانیں یعنی تلگو، کنڑی، تامل اور ملیالم ہیں۔

دراوڑی قوم نے جن جن علاقوں میں اپنا تسلط قائم کیا ان علاقوں میں کلاسیکی دراوڑی زبانوں سے جدید دراوڑی زبانوں کا آغاز ہوا۔ جنوبی ہند کی بیشتر بولی اور لکھی جانے والی زبانوں میں دراوڑی زبانیں اہمیت کے حامل تھیں اور دکن میں دوسری آریائی زبانیں بھی فروغ پا رہی تھیں۔اس دور میں مالوہ، گجرات اور مہاراشٹر کو بھی دکن کے علاقے میں شمار کیا جاتا تھا۔گجراتی اور مرہٹی زبانوں کا تعلق آریائی زبانوں سے تھا۔ دکن کے بیشتر علاقے میں سب سے پہلے بولی جانے والی اور پھر بعد میں تحریری شکل اختیار کرنے والی زبان کی حیثیت سے دکنی کو بڑی شہرت

حاصل ہوئی۔ دکنی زبان نے تمام علاقوں کے اثرات کو خود میں شامل کیا یہی وجہ ہے کہ دکن کے علاقے میں پھیلنے والی دراوڑی زبانوں جیسے کنڑی، تامل، تلگو اور ملیالی زبان کے علاوہ آریائی زبانوں جیسے مرہٹی اور گجراتی کے اثرات بھی دکن زبان میں دکھائی دیتے ہیں۔ آریائی زبانوں کے اثرات دکنی کا خصوصی وصف ہے جبکہ دراوڑی زبانوں کے اثرات بھی دکنی الفاظ کا وسیلہ بنتے ہیں۔ غرض لسانی اعتبار سے دکنی زبان نے آریائی لسانی طریقے اختیار کیے جبکہ دراوڑی زبانوں کے اثرات بھی دکنی کے لفظوں کی تراش خراش میں مدد دیتے ہیں۔

ابتدا میں دکنی زبان کو بولی کا درجہ حاصل رہا۔ شمالی ہند میں کھڑی بولی کو امیر خسرو (وفات ۱۳۲۶ء) کی وجہ سے عروج حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ۱۲۹۴ء میں علاء الدین خلجی نے اور پھر ۱۳۲۷ء میں محمد بن تغلق دولت آباد (دیوگری) کو پایہ تخت بنایا۔ اس کے دوران دکن میں دکنی کا آغاز ہوا، اس سے قبل وہاں صوفیہ کرام نے بھی اردو کو بہت فروغ دیا۔ اس علاقے میں بزرگان دین نے بھی عربی اور فارسی زبان سے مقامی باشندوں کی ناواقفیت کی وجہ سے مقامی زبان کے الفاظ کو عربی و فارسی میں شامل کر کے تبلیغ کی بنیاد رکھی۔ یہی ملی جلی زبان جنوبی ہند کے علاقے میں دکنی زبان کہلاتی ہے۔ دکنی زبان کو ابتداء میں صوفیہ کرام کی خدمات کی وجہ سے بول چال کی زبان کا درجہ حاصل ہوا۔ پھر دکنی بولی میں تحریری زبان کا وصف بزرگان دین کے چھوٹے چھوٹے رسالوں اور شاعری کے نمونوں میں واضح ہوا۔

دکنی زبان پر سنسکرت کے اثرات غالب ہیں جبکہ عربی و فارسی کے الفاظ کو دکنی شاعر و ادیب اپنے مخصوص املا کے اعتبار سے استعمال کرتے رہے۔ غرض سارے دکن میں بولی کی حیثیت سے شروع ہو کر تحریری زبان کا درجہ حاصل کرنے والی زبان دکنی کہلاتی ہے۔ اس دکنی زبان میں قواعد کے اعتبار سے جملے بنانے کا طریقہ سنسکرت سے مستعار لیا گیا ہے جبکہ لفظوں کے استعمال کے معاملے میں دکنی زبان بھی عربی اور فارسی کے الفاظ سے مدد لی گئی ہے لیکن ان کے تلفظ کو دکنی انداز سے پیش کرنے کی خصوصیت موجود ہے۔ غرض دکنی زبان سنسکرت سے برآمد ہوئی جو آواز کی نمائندہ کھڑی بولی سے لسانی رشتہ مستحکم رکھتی ہے۔ اس زبان میں الفاظ کی سجاوٹ کے لیے عربی اور فارسی کے تلفظ کو ہندوستانی لب ولہجہ کے طریقے سے قبول کیا گیا۔ یہی دکنی زبان سارے دکن کے علاقے کی بول چال اور تحریری کی زبان قرار پائی۔

1.3 ۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات:۔

اگرچہ دہلی کی سرزمین میں ۱۳۲۶ء سے قبل حضرت امیر خسرو کے ذریعہ پیدا ہونے والے تحریری ادب کو اردو کا اولین ادب قرار دیا جاتا

ہے۔لیکن دکن کی سرزمین میں اردو کے فروغ کے معاملہ میں دکنی ہی پہلی زبان قرار پائی۔اسی بولی جانے والی زبان میں تحریری ادب بھی سامنے آیا۔جواردو کا اولین ادب ہے۔دہلی سے سفر کر کے پایہ تخت کی تبدیلی کے بعد دیوگری یا دولت آباد میں سکونت اختیار کرنے والے بزرگان دین نے دکنی کے آغاز اور فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۱۲۹۴ء میں دیوگری پر علاؤالدین خلجی کے حملے اور ۱۳۲۷ء میں دیوگری کو محمد تغلق کی جانب سے پایہ تخت کا موقف حاصل ہونے کی وجہ سے دہلی کے کئی بزرگان دین نے دولت آباد کی سرزمین کی طرف رخ کیا۔لسانی اعتبار سے دکنی زبان بھی ہند آیائی زبانوں کی ایک اہم شاخ ہے۔دکنی کے الفاظ بھی آ والی آوازوں پر ختم ہوتے ہیں۔اس مناسبت سے دکنی زبان بھی مغربی ہندی کی شاخ کھڑی بولی سے تعلق رکھتی ہے۔دکنی زبان نے لسانی اعتبار سے مرہٹی جیسی ہند آریائی زبان سے استفادہ کیا، چنانچہ دکنی میں ''چ'' تاکیدی کا استعمال، مرہٹی کے زیر اثر ہے۔اسی طرح دکنی میں ہو کا استعمال، جمع بنانے کا آسان طریقہ اور بڑے لفظ کو مخفف کرنے کا انداز بھی ہند آریائی کے زیر اثر نمایاں ہوا ہے۔دکنی زبان میں عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کو ترک کر کے عام الفاظ استعمال کرنے اور سنسکرت املاء کو رواج دینے کی کوشش کی گئی۔بے جان اسماء کو مذکر کی حیثیت دی گئی اور الفاظ کے املاء کو صوتی اعتبار سے پیش کر کے دکنی کی انفرادیت کو نمائندگی دی گئی۔ دکنی زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ بہت کم اور سنسکرت کے الفاظ بہ کثرت استعمال ہوئے ہیں۔سنسکرت الفاظ سرج، چندر، سہاگن، پیلن، سمرن، سمرت، سرجی، دھرتی، پربت، سورگ، سیوا، کارن، دوجا اور تیجا کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ دکنی کا مزاج عربی اور فارسی سے زیادہ سنسکرت الفاظ کے استعمال پر مائل ہے۔دکن کا علاقہ کافی وسیع ہے۔بہمنی دور میں گلبرگہ، بیدر اور کرناٹک کے علاقے اس کے زیر تصرف تھے، عادل شاہی اور قطب شاہی بادشاہوں نے دکنی کی سرپرستی کی۔دکنی کے بیشتر الفاظ سنسکرت زبان سے حاصل کردہ ہیں لیکن دکنی پر عربی اور فارسی کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔دکنی میں شعر گوئی کو جاری رکھنے والے شاعروں نے عربی اور فارسی شعری اصناف کو پسند کیا۔جس کی وجہ سے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، شہادت نامہ، نور نامہ اور ریختی کے علاوہ غزل کو اہمیت حاصل ہوئی۔دکنی شاعروں نے سنسکرت شعری اصناف کے استعمال پر کوئی توجہ نہیں دی۔غرض دکنی بول چال کے علاقے اس قدر وسیع ہوگئے کہ گجرات اور برہان پور ہی نہیں بلکہ گلبرگہ اور بیدر سے آگے بڑھ کر بیجاپور اور رائچور ہی نہیں بلکہ برار کا سارا علاقہ دکنی بول چال کا علاقی بن گیا۔اور تلنگانہ، آندھرا اور تامل ناڈو میں بھی دکنی کی روایت عام ہوگئی۔اس دور میں سنی اور شیعہ مسلمانوں نے ''عید میلاد'' اور ''اعزائے امام حسینؓ'' کے توسط سے دکن کے علاقے میں زبانی ادب کو فروغ دیا۔

پھراس کے بعد دکن کے مختلف علاقوں میں دکنی زبان اپنی تحریری خصوصیات کے جو ہر دکھانے لگی۔اردو کی ابتدائی اہم مثنویاں جیسے '' کدم راؤ پدم راؤ''، ''نوسر ہار''، ''یوسف زلیخا''، ''ابراہیم نامہ''، ''ارشادنامہ'' کے علاوہ نثر میں ''معراج العاشقین'' اور ''شکارنامہ''، ''تلاوت الوجود'' اور'' کلمتہ الحقائق'' کودکنی نثر کا ابتدائی سرمایہ کہا جاتا ہے۔اس طرح دکنی کا زبانی ادب ترقی کرتے ہوئے تحریری ادب میں تبدیل ہو گیا۔غرض بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں نے دکنی میں شعرگوئی کرنے والے شاعروں کو ''ملک الشعراء'' کا خطاب دے کران کی قدرافزائی کی،جس کی وجہ سے دکنی زبان کو بہت کم وقفے میں سارے علاقے کے ادب کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوگئی۔قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے بادشاہوں نے بھی دکنی میں شاعری کی اوراس زبان کی سرپرستی کا حق ادا کرتے رہے۔

1.3.1 سرگرمی! (آؤاپنی معلومات) جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے دکن میں اردوزبان کے سماجی ومعاشرتی محرکات کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یانہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 1.8 سے رجوع کریں

خالی جگہ پرکیجیے:۔

۱۔ دکنی زبان میں قواعد کے اعتبار سے جملے بنانے کا طریقہ۔۔۔۔۔سے مستعار لیا گیا ہے

۲۔ آریاؤں کے چاروں ویدوں میں (رگ وید،سام وید،اتھرویداور یجروید)۔۔۔۔۔کا ذکرملتا ہے۔

۳۔ دکنی کے الفاظ بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ والی آوازوں پرختم ہوتے ہیں

۴۔ دکنی کے بیشتر الفاظ۔۔۔۔۔۔زبان سے حاصل کردہ ہیں۔

1.4 ۔عمومی جائزہ:۔

غرض دکنی زبان سنسکرت سے برآمد ہوئی جو آواز کی نمائندہ کھڑی بولی سے لسانی رشتہ مستحکم رکھتی ہے۔اس زبان میں الفاظ کی سجاوٹ کے

لیے عربی اور فارسی کے تلفظ کو ہندوستانی لب ولہجہ کے طریقے سے قبول کیا گیا۔ یہی دکنی زبان سارے دکن کے علاقے کی بول چال اور تحریر کی زبان قرار پائی۔ ہندوستان کی سرزمین میں لاہور، پنجاب، دہلی اور دوسرے علاقوں میں بھی دو قوموں کے باہمی اتحاد کا ثبوت مل جاتا ہے لیکن دکن کی سرزمین کی خصوصیت یہی ہے کہ اس علاقے میں ہندو اور مسلم دونوں قوموں کے میل ملاپ کی وجہ سے ایک نئی زبان وجود میں آئی اور اس زبان کو دکن کے علاقے سے نسبت ہونے کی وجہ سے دکنی کا درجہ حاصل ہوا۔ اس دکنی زبان کی لسانی خصوصیت کے ساتھ ادبی شناخت بھی یہی ہے کہ اس زبان کے ماننے والوں نے عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ کے ساتھ ساتھ شعر گوئی میں سنسکرت لفظیات کو بھی اپنے انداز سے استعمال کرنے کی بنیاد رکھی۔

1.5۔ فرہنگ:۔

گہوارہ	نشونما کی جگہ
تسلط	غلبہ،حکومت
مستعار	مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا۔
سرپرستی	دیکھ بھال،نگہبانی
محرکات	تحریک دینے یا ابھارنے والے امور یا واقعات، اسباب

1.6 ۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات پر روشنی ڈالئے؟

۲۔ دکن میں مختلف قوموں، مذاہب اور ثقافتوں کے باہمی اختلاط نے اردو زبان کی تشکیل پر کیا اثر ڈالا؟

۳۔ دکن میں اردو ادب کی ابتدا کن تاریخی، سیاسی اور سماجی حالات کے زیرِ اثر ہوئی؟ تفصیل سے بیان کریں۔

1.7۔ مشقی سوالات

۱۔ دکنی پر کس زبان کے اثرات غالب نظر آتے ہیں؟

۲۔ محمد بن تغلق نے کس سن میں دولت آباد کو پایہ تخت بنایا؟ مختصر جائزہ لیجیے۔

1.8۔ مشقی سوالات کے جوابات

جواب ا:۔ دکنی زبان پر سنسکرت کے اثرات غالب ہیں جبکہ عربی و فارسی کے الفاظ کو دکنی شاعر و ادیب اپنے مخصوص املا کے اعتبار سے استعمال کرتے رہے۔غرض سارے دکن میں بولی کی حیثیت سے شروع ہو کر تحریری زبان کا درجہ حاصل کرنے والی زبان دکنی کہلاتی ہے

جواب ۲:۔ ۱۳۲۷ء میں محمد بن تغلق نے دولت آباد (دیوگری) کو پایہ تخت بنایا۔

جوابات ِسرگرمی۔

۱۔سنسکرت

۲۔دکھشن پتھ

۳۔ آ

۴۔سنسکرت

1.9۔امدادی کتب:۔

۱۔	پروفیسر عبدالستار دلوی	دکنی اردو، اشوک پرنٹنگ پریس کھیت واڑی، ۱۹۸۷ء
۲۔	ڈاکٹر قیوم صادق	دکنی ادب، کرناٹک ادبی سرکل،گلبرگہ (کرناٹک)، ۱۹۸۸ء
۳۔	نصیرالدین ہاشمی	دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء
۴۔	ڈاکٹر محی الدین قادری زور	دکنی ادب کی تاریخ، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۶۰ء
۵۔	نصیرالدین ہاشمی	دکنی کلچر، مجلس ترقی اردو، لاہور، ۱۹۶۳ء
۶۔	ڈاکٹر شری رام، مولوی غلام رسول	دکنی زبان کا آغاز اور ارتقا، ساہتیہ اکیڈمی آندھرا پردیش حیدر آباد، ۱۹۶۷ء
۷۔	پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات
۸۔	ام ماریہ حق (دہلی)	دکنی زبان و ادب (مضمون)

سبق نمبر۔۲: دکن میں ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش

ساخت:۔

2.0۔ اغراض ومقاصد

2.1۔ تعارف

2.2۔ دکنی ادب کے ابتدائی نقوش

2.3۔ بیجاپور اور گولکنڈہ میں دکنی ادب کے ابتدائی نقوش

2.3.1۔ دکنی ادب کے بنیاد گزار

2.3.2۔ دکنی اور موجودہ اردو میں فرق

2.3.3۔ دکنی ادب کے اہم مراکز

2.4۔ عمومی جائزہ

2.5۔ فرہنگ

2.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

2.7۔ مشقی سوالات

2.8۔ جوابات سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات

2.9۔ امدادی کتب

2.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکن میں ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش اور اس کے تاریخی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور یہ واضح کر سکیں کہ ابتدائی دور میں کن عوامل نے ادب کی تشکیل اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ دکن میں مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے امتزاج نے ادبی اظہار کو کس طرح ایک نئی صورت عطا کی۔ آپ اس بات کو سمجھنے لگیں گے کہ دکن کے ابتدائی شعرا اور ادبا نے کس طرح مقامی زبانوں اور فارسی اثرات کو ملا کر ادب کی نئی روایت قائم کی۔ اس کے ساتھ آپ ابتدائی دکنی ادب کی نمایاں اصناف جیسے مثنوی، قصیدہ، غزل اور داستان کی خصوصیات کو پہچان سکیں گے اور ان کے فنی پہلوؤں کو آسانی سے سمجھ پائیں گے۔ آپ یہ سمجھنے کے قابل بھی ہو جائیں گے کہ صوفیائے کرام اور درباری سرپرستی نے دکن میں ادبی تخلیق کو کس طرح فروغ دیا اور ادب کو عوامی سطح تک پہنچانے میں کیا کردار ادا کیا۔ ساتھ ہی آپ ابتدائی دکنی ادب میں مذہبی، اخلاقی اور عشقیہ عناصر کی اہمیت کو بھی اچھی طرح بیان کر سکیں گے۔

آخر میں آپ یہ بات سمجھ سکیں گے کہ دکن میں ادبی تخلیق کے یہ ابتدائی نقوش بعد میں اردو ادب کی ترقی کی بنیاد کیسے بنے اور انہوں نے آنے والے ادوار کو کس طرح متاثر کیا۔ اس طرح آپ اس پورے سبق کو ایک واضح اور سادہ انداز میں بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

2.1۔تعارف:۔

دکنی زبان کو اردو کی ابتدائی شکل کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے، لیکن اردو اور دکنی میں یہ فرق ہے کہ دونوں زبانوں میں جملہ بنانے کے سنسکرت طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، لیکن دکنی زبان قواعد کے اعتبار سے اردو کے مختلف طریقوں کو اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ دہلی کی سرزمین میں 1326ء سے قبل حضرت امیر خسرو کے ذریعے پیدا ہونے والے تحریری ادب کو اردو کا اولین ادب قرار دیا جاتا ہے، لیکن دکن کی سرزمین میں اردو کے فروغ کے معاملے میں دکنی ہی پہلی زبان قرار پائی۔ اسی بولی جانے والی زبان میں تحریری ادب بھی پیدا ہوا جو اردو کا اولین ادب ہے۔ دہلی سے سفر کر کے پایہ تخت کی تبدیلی کے بعد دیوگری یا دولت آباد میں سکونت اختیار کرنے والے بزرگانِ دین نے دکنی کے آغاز اور فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

1294ء میں دیوگری پر علاؤالدین خلجی کے حملے اور 1327ء میں دیوگری کو محمد بن تغلق کی جانب سے پایہ تخت کا موقف حاصل ہونے کی وجہ سے دہلی کے کئی بزرگانِ دین نے دولت آباد کی سرزمین کی طرف رخ کیا۔لسانی اعتبار سے دکنی زبان بھی ہند آریائی زبانوں کی ایک اہم شاخ ہے۔ دکنی کے الفاظ بھی اکثر آوالی آوازوں پر ختم ہوتے ہیں۔اس مناسبت سے دکنی زبان بھی مغربی ہندی کی شاخ کھڑی بولی سے تعلق رکھتی ہے۔دکنی زبان نے لسانی اعتبار سے مرہٹی جیسی ہند آریائی زبان سے استفادہ کیا، چنانچہ دکنی میں 'چ' تاکیدی کا استعمال، مرہٹی کے زیرِ اثر ہے۔اسی طرح دکنی میں ہوکا استعمال جمع بنانے کا آسان طریقہ اور بڑے لفظ کومخفف کرنے کا انداز بھی ہند آریائی اثرات کے تحت نمایاں ہوا ہے۔

دکنی زبان میں عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کو ترک کر کے عام الفاظ استعمال کرنے اور سنسکرت املا کو رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ بے جان اسماء کو مذکر کی حیثیت دی گئی اور الفاظ کے املا کو صوتی اعتبار سے پیش کر کے دکنی کی انفرادیت کو نمائندگی دی گئی۔دکنی زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ بہت کم اور سنسکرت کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔سنسکرت کے الفاظ جیسے: سرج، چندر، سہاگن، پیلن، سمرن، سمرت، سرجی، دھرتی، پربت، سورگ، سیوا، کارن، دوجا اور تیجا کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ دکنی کا مزاج عربی اور فارسی سے زیادہ سنسکرت الفاظ کے استعمال پر مائل ہے۔دکن کا علاقہ کافی وسیع ہے۔عادل شاہی اور قطب شاہی بادشاہوں نے دکنی کی سرپرستی کی۔دکنی کے بیشتر الفاظ سنسکرت زبان سے حاصل کردہ ہیں، لیکن دکنی پر عربی اور فارسی کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔دکنی میں شعر گوئی کو جاری رکھنے والے شاعروں نے عربی اور فارسی شعری اصناف کو پسند کیا، جس کی وجہ سے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، شہادت نامہ، نورنامہ اور ریختی کے علاوہ غزل کو بھی اہمیت حاصل ہوئی۔

غرض دکنی بول چال کے علاقے اس قدر وسیع ہوگئے کہ گجرات اور برہان پور ہی نہیں بلکہ گلبرگہ اور بیدر سے آگے بڑھ کر بیجاپور اور رائے چور ہی نہیں بلکہ برار کا سارا علاقہ دکنی بول چال کا علاقہ بن گیا، اور تلنگانہ، آندھرا اور تامل ناڈو میں بھی دکنی کی روایت عام ہوگئی۔اس دور میں ''عید میلاد'' اور ''عزائے امام حسینؑ'' کے توسط سے دکن کے علاقے میں زبانی ادب کو فروغ دیا۔پھر اس کے بعد دکن کے مختلف علاقوں میں دکنی زبان اپنی تحریری خصوصیات کے جوہر دکھانے لگی۔اردو کی ابتدائی اہم مثنویاں جیسے کدم راؤ پدم راؤ، نوسرہار، یوسف زلیخا، ابراہیم نامہ، ارشادنامہ کے علاوہ نثر میں معراج العاشقین، شکارنامہ، تلاوت الوجود اور کلمۃ الحقائق کو دکنی نثر کا ابتدائی سرمایہ کہا جاتا ہے۔اس طرح دکنی کا زبانی ادب ترقی

کرتے ہوئے تحریری ادب میں تبدیل ہو گیا۔غرض بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں نے دکنی میں شعر گوئی کرنے والے شاعروں کو ملک الشعراء کا خطاب دے کران کی قدر افزائی کی ،جس کی وجہ سے دکنی زبان کو بہت کم وقفے میں سارے علاقے کے ادبی اظہار کی حیثیت سے شہرت حاصل ہو گئی ۔قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے بادشاہوں نے بھی دکنی میں شاعری کی اوراس زبان کی سرپرستی کا حق ادا کرتے رہے۔

2.2۔دکنی ادب کے ابتدائی نقوش:۔

جنوبی ہند کا وہ تمام تر علاقہ جس میں ابتدائی طور پر بہمنی سلطنت کی حکمرانی رہی ،ان تمام علاقوں میں سنسکرت زبان کی شاخ مغربی ہندی سے وجود میں آنے والی کھڑی بولی کے اثرات ملک کے مختلف حصوں میں پھیلنے لگے ان علاقوں میں مسلمانوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے اس کھڑی بولی میں عربی ، فارسی اور ترکی کے اثرات کو پہلی مرتبہ بول چال کی زبان کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی ،غرض جنوبی ہند کی اس زبان کو دکنی کا درجہ حاصل ہوا۔اس دکنی زبان کے ابتدائی نقوش دیوگری یا دولت آباد سے ترقی کرتے ہوئے گلبرگہ اور بیدر کے علاوہ جنوبی ہند کے بیشتر علاقوں جیسے گولکنڈہ ، بیجاپور ،احمد نگر ، برار اور تامل ناڈو کے اطراف واکناف میں فروغ پانے لگی۔

دکنی کے ابتدائی نقوش زبانی ادب کی حیثیت سے سارے دکن میں پھیل چکے تھے۔شہادت نامہ اور مرثیہ، دکنی ادبی ونثری سرمایہ کا حصہ بن گئے ۔اسی دکنی بول چال کی زبان میں بعثت نامہ،نور نامہ، ولادت نامہ اور معراج نامہ لکھنے کی روایت شروع ہوئی ، یہی نہیں بلکہ عوامی سطح پر لوک ادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔دکنی زبان میں لوری نامے، چرخا نامے ،چکی نامے اور ڈھولک کے گیتوں کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ دکنی ادب کے ابتدائی نقوش میں تہذیب ،اخلاق ،شائستگی اور انسان دوستی کے ایسے نمونے پوشیدہ ہیں جن کا مطالعہ دکنی ادب کی ثقافتی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔اس طرح دکنی ادب نے اپنے ابتدائی نقوش کے ساتھ ہی علم وادب ،فنِ تعمیر ،فنِ نقاشی ،خوشخطی ، مجسمہ سازی ،عمارت سازی اور انسان کے ذریعے وجود میں آنے والی تمام شائستگی اور اخلاقی خصوصیات کو نثر اور شاعری کے توسط سے پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ دکنی ادب کے ابتدائی نقوش میں بھی انسانی زندگی کے بھرپور اور اعلیٰ معیار کے نقوش موجود ہیں۔

2.3 ۔بیجا پوراور گولکنڈہ میں دکنی ادب کے ابتدائی نقوش:۔

بہمنی سلطنت کے دور میں ہی بیجا پوراور گولکنڈہ کودکنی زبان کے فروغ دینے والے علاقوں کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوچکی تھی۔جب بہمنی سلاطین کا اقتدار زوال آمادہ ہونے لگا تو دکن میں قائم بیجا پور کی عادل شاہی سلطنت اور گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت نے فارسی زبان کو فروغ دینے کے بجائے دکنی جیسی نئی زبان کی سر پرستی کی طرف خصوصی توجہ دی۔اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ بہمنی سلاطین نے سب سے پہلے اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا اور فارسی کے مشہور شاعر حافظ شیرازی کو ہندوستان کے علاقے دکن میں سرکاری اعزاز کے ساتھ مدعو کیا تھا۔سمندر میں طوفان آنے کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ حافظ شیرازی ساحل پر انتظار کر کے اپنے مقام کولوٹ گئے۔

بہمنی دور میں تعلیمی سرگرمیوں کا پتہ اس سلطنت کے وزیر خواجہ محمود گاواں کے مدرسہ محمود گاواں بیدر کے قیام 1472ء سے ملتا ہے، جہاں دینی علوم کی ترقی وترویج کی بنیاد رکھی گئی۔ بیدر کے مدرسہ محمود گاواں سے فارغ قابل انسانی گروہوں نے بہمنی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بیجا پور اور گولکنڈہ کوعلم وفضل کا گہوارہ بنادیا۔ بیجا پور کے عادل شاہی بادشاہوں کے دور میں ہی دکنی ادب کوتحریری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا،اس دور میں بزرگان دین اورصوفیہ کرام نے دین کی تبلیغ کے لئے رسالے لکھ کر اردوادب کی آبیاری کا ثبوت دیا اور "رسالہ نویسی کی بنیاد رکھی۔رسالہ نویسی کو انگریزی زبان میں Treatise کی حیثیت حاصل ہے۔دکن کی ایسی زبان جو بول چال کے ذریعہ عام ہورہی تھی،اس کوادبی موقف دینے میں بیجا پور کے سلاطین ہی نہیں، بلکہ صوفیہ کرام کی خدمات کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس دور کے نامورصوفیہ کرام میں شاہ میراں جی شمس العشاق، حضرت برہان الدین جانم،حضرت امین الدین علی اعلی اور دیگر بزرگوں نے اس نئی زبان کی سر پرستی کرتے ہوئے دکنی زبان کوتحریری زبان کا موقف عطا کردیا۔حضرت میراں جی شمس العشاق کے مشہور رسالوں میں بشارت الذکر،مغزمرغوب،خوش نامہ،خوش نغز اورشرح مرغوب القلوب وغیرہ شامل ہیں۔ابتدائی چار کتابیں دکنی شاعری میں اورآخری کتاب دکنی نثر کی نمائندگی کرتی ہے۔عادل شاہی بادشاہوں کا اقتدار 895ھ م 1490ء سے 1097ھ م 1686ء تک جاری رہا،اس سلطنت کے 9 بادشاہ حکمران رہے۔اس دور کے مشہور صوفی برہان الدین جانم نے وسیع الہادی،مغزمرغوب،سکھ سہلا،اور''منفعت الایمان'' کے علاوہ''کلمۃ الحقائق'' جیسی کتابیں تحریر کیں۔ اس طرح عادل شاہی دور کے صوفیہ کرام

نے دکنی زبان کوتحریر کا وصف دیا، جبکہ اس دور کے شاعروں نے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل اور باعی جیسی شاعری کی بنیاد رکھی۔ عادل شاہی دور ہی نہیں بلکہ قطب شاہی دور میں بھی مثنوی نگاری کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی۔ عادل شاہی دور کے دکنی شاعروں میں عبدل، مقیمی، حسن شوقی، صنعتی، رستمی، نصرتی، شاہی اور ہاشمی کے علاوہ کئی شاعروں نے مثنویوں کے علاوہ رزمیہ شاعری کی بنیاد رکھی۔ اسی دور میں ریختی کو فروغ حاصل ہوا، اس دور کی مشہور مثنویوں میں ''چندر بدن و ماہیار، فتح نامہ نظام شاہ، ہشت بہشت علی نامہ، محبت نامہ، یوسف زلیخا، گلشن عشق، پند نامہ، معراج نامہ اور مولود نامہ ہی نہیں بلکہ وصل نامہ بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس دور میں عبدل نے ''ابراہیم نامہ'' قصیدہ لکھا، جبکہ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے ''نورس نامہ'' لکھ کر موسیقی کے اظہار کو شاعری سے وابستہ کر کے دکنی شاعری کو اعزاز بخشا۔ اسی طرح گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت نے فارسی کے بجائے دکنی زبان کو اظہار کا ذریعہ بنا کر خود تین بادشاہوں جیسے سلطان محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ نے دکنی میں شاعری کی بنیاد رکھی۔ قطب شاہی دور کا آغاز 916ھ م 1505ء اور اس سلطنت کا خاتمہ 1098ھ مطابق 1687ء میں ہوا۔ جملہ سات بادشاہوں نے حکمرانی کی، ہر بادشاہ کے دور میں دکنی میں نثر اور شاعری کی بنیاد رکھنے والے شعراء موجود تھے۔ خود محمد قلی قطب شاہ نے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور غزل کی بنیاد رکھی۔ ملا وجہی نے ''قطب مشتری'' مثنوی تحریر کی اور اردو کی پہلی نثری کتاب ''سب رس'' پیش کر کے داستاں نویسی کی صنف کو منظم کیا۔ جس کے بعد قطب شاہی دور کے بادشاہوں اور دکنی شاعروں کی طویل فہرست موجود ہے۔ جنہوں نے دکنی کو اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے شعر و ادب کی آبیاری کی۔ یہ تمام شاعر دکنی میں اظہار خیال کرتے اور بادشاہ کی طرف سے انعام واکرام سے نوازے جاتے تھے۔ قطب شاہی دور کے دکنی شاعروں میں فیروز محمود، ملا خیالی، احمد، عاجز، میراں جی خدا نما، ابن نشاطی، جنیدی، بلاقی، لطیف، افضل، فتاحی، تانا شاہ اور غلام علی کے علاوہ سیوک اور سالک جیسے اہم شعراء شامل ہیں، جنہوں نے مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی اور غزل کی روایت کو دکنی زبان میں فروغ دیا۔ اس طرح دکنی کے علاقے میں باضابطہ دکنی شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنانے والے دکن کے باشندوں میں ابتدائی طور پر بیجاپور اور گولکنڈہ کے باشندوں اور ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنہوں نے اپنے دور میں فروغ پانے والی شاہی زبان یعنی فارسی کو نظر انداز کر کے ذوق کی تکمیل کے لئے دکنی زبان میں شاعری کی اور اس کی زبان کو ادبی وقار کا درجہ دے دیا۔ قطب شاہی اور عادل شاہی بادشاہوں نے اپنے دور کے دکنی شعراء کو ملک الشعراء کا اعزاز دے کر قدر افزائی کی۔

2.3.1۔دکنی ادب کے بنیاد گزار:۔

کوئی بھی نیا کام کسی بھی دور میں شروع کیا جائے،اس کام کو فروغ دینے اور استحکام بخشنے کی کوشش کرنے کو ایک عمل کا درجہ حاصل ہے اور یہ عمل بنیاد گزاری کہلاتا ہے۔ذاتی محنت اور خصوصی دلچسپی کے علاوہ دلی لگن کے ساتھ کسی ادھورے کام یا شروع ہونے والے مقصد کو منزل تک پہنچانے کا ارادہ رکھ کر کام میں ہاتھ بٹانے والے کو بنیاد گزار کہا جاتا ہے۔دنیا کا ہر کام انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر بھی انجام پاتا ہے اور جو لوگ کام کی تکمیل کے لئے جدو جہد اور نیک نفسی کے ساتھ ہاتھ بٹاتے ہیں وہی بنیاد گزار کہلانے کے مستحق ہیں۔ دکنی زبان جو ابتدائی طور پر بول چال کی زبان تھی،اس زبان کو ادب کے درجے میں داخل کرنے کے لئے جن افراد نے جستجو اور کوشش کو جاری رکھا،انہیں دکنی ادب کے بنیاد گزار قرار دیا جاتا ہے۔دکنی زبان کو ادب میں منتقل کرنے والے بنیاد گزاروں کو اہمیت حاصل ہے۔دکنی کے پہلے بنیاد گزار افراد میں صوفیہ کرام اور بزرگان شامل ہیں جنہوں نے دکن کے علاقے میں بول چال کی حیثیت سے شہرت رکھنے والی زبان کو تحریری زبان کا درجہ دیا،اس طرح بنیاد گزاری کے چار انداز میں صوفیہ کرام کے ذریعہ دکنی ادب کے فروغ کو جس طرح اہمیت حاصل ہے،اسی طرح سپاہی اور فوجی بھی دکنی کے بنیاد گزار قرار پاتے ہیں،جس کے ساتھ ہی تاجروں نے بھی دکنی زبان کو ادب کی شکل میں نمایاں کرنے کا فریضہ ادا کیا۔اس کے علاوہ شاہی سرپرستی کی وجہ سے بھی دکنی زبان وادب کو فروغ پانے کا موقع حاصل ہوگیا اس طرح دکن کی سرزمین میں صوفیہ کرام،فوجی،تاجر اور شاہی سرپرستی کو دکنی کے بنیاد گزار افرادوں میں شمار کیا جاتا ہے۔سب سے پہلے دکنی ادب کی بنیاد گزار نثر نگاروں میں حضرت سید محمد بندہ نواز اور حضرت برہان الدین جانم کے رسالوں جیسے معراج العاشقین،شکار نامہ اور کلمتہ الحقائق کی اہم ہیں۔اس سے قبل سید یوسف شاہ راجو قتال اور سید زین الدین داؤد شیرازی نے دہلی سے دولت آباد کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد دو مثنویاں سہاگن نامہ 1331ء اور نرلک نامہ 1369ء میں لکھیں۔اس کے علاوہ دکن میں شعری رسالے لکھنے والے دوسرے اہم صوفیہ کرام میں حضرت امین الدین علی اعلی،میراں جی شمس العشاق اور برہان الدین جانم کے علاوہ گجرات کے شیخ علی جیو گام دھنی اور خوب محمد چشتی کے کارنامے بھی اہمیت کے حامل ہیں،جن سے دکنی ادب کے بنیاد گزار شاعروں کی حیثیت سے صوفیہ کرام کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔احمد نگر کے اشرف بیابانی کی تصنیف ''نوسرہار'' سے خود پتہ چلتا ہے کہ شاعروں نے دکنی ادب کی ترویج کے لئے باضابطہ طور پر سارے جنوبی ہند کے علاقوں میں شعر گوئی کا حق ادا کیا۔نثر نگاری اور شاعری کے علاوہ محققین اور ناقدین نے بھی ادبی کام کام کو آگے بڑھاتے ہوئے دکنی ادب کو فروغ دینے کی طرف خصوصی توجہ دی۔دکن کے بنیاد گزار محققین میں حکیم محمد شمس اللہ قادری،بابائے اردو

مولوی عبدالحق، مولوی نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اور پروفیسر عبدالقادر سروری کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی تحقیقی خدمات کو دکنی کے بنیاد گزار محققوں کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اس طرح دکنی ادب کے بنیاد گزاروں میں شاعر، نثر نگار، محققین اور ناقدین ہی شہرت نہیں رکھتے بلکہ دکنی سے شغف رکھنے والے ابتدائی افراد کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، جنہوں نے اجتماعی طور پر دکنی ادب کی بنیاد ڈالی گئی۔ ان میں عوامی نمائندگی کرنے والے افراد بھی شامل ہیں، جنہوں نے ماہ محرم کے دوران تعزیے اٹھانے علم ایستادہ کرنے، لنگر لگانے، الاوہ کھیلنے اور شہادت حسین کے موقع پر نوحے پڑھنے الوداعیہ پڑھنے کے علاوہ شہادت نامے اور مرثیے پڑھنے کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ماہ ربیع الاول میں میلاد النبی کے موقع پر زبانی پیش کش سے عوام میں مقبول ہونے والے مولود نامے، میلاد نامے، نور نامے، ولادت نامے، بعثت نامے اور معراج نامے، زبانی اور تحریری انداز سے پیش کرنے والوں کو بھی دکنی کے ابتدائی بنیاد گزاروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دکنی زبان میں لوک ادب کی نمائندگی کرنے والے لوری نامے، چکی نامے، چرخہ نامے اور ڈھولک کے گیت کو پیش کرنے والے افراد کو بھی دکن کے ابتدائی بنیاد گزاروں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

2.3.2 ۔دکنی اور موجودہ اردو میں فرق:۔

جنوبی ہند کے علاقے میں سب سے پہلے بول چال کی زبان اور پھر تحریری زبان کی حیثیت سے فروغ پانے والی زبان کو دکنی کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ بہمنی دور قطب شاہی دور اور عادل شاہی دور ہی نہیں بلکہ نظام شاہی دور میں بھی دکنی زبان میں شعر و ادب فروغ پاتی رہیں۔ دکنی اور موجودہ اردو زبان میں نہ صرف لب و لہجے کا فرق ہے بلکہ ادائیگی کا فرق بھی دکھائی دیتا ہے۔ دکنی زبان میں کوں، سوں، نکوں، کبھو، کسو اور ایسے ہی بے شمار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ دکنی جمع بنانے کا آسان طریقہ لفظ کو الف نون غنہ کے اضافے سے کیا جاتا ہے۔ جیسے عورتاں، مرداں، گلاساں، عمارتاں وغیرہ۔ اسی طرح دکنی کی پہچان اس کے الفاظ میں مرہٹی زبان کے چ تاکیدی کا استعمال ضمائر اور افعال پر ہوتا ہے جیسے ادھرچ، اُدھرچ، ایسا یچ، ویسا یچ، یانچ، وانچ کے علاوہ فعل پر مرہٹی چ تاکیدی جیسے سنتاچ، لکھتاچ، پڑھتاچ، دیکھتاچ وغیرہ سے بھی دکنی زبان کی شناخت قائم ہوجاتی ہے۔ دکنی میں طویل الفاظ کو مخفف کرنے کا انداز بھی شامل ہے، جو دکنی کی شناخت ہے۔ جیسے جی ہاں کو ہئو، کاہے کو کے بجائے کائکو ہی نہیں بلکہ آسمان کے بجائے اسمان وغیرہ کا استعمال بھی دکنی کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر فائل جمع مونث استعمال ہو تو دکنی میں فعل بھی جمع مونث استعمال کیا جاتا ہے جیسے لڑکیاں آتیاں ہیں، روٹیاں کھاتیاں ہیں، جوتیاں پہنتیاں ہیں وغیرہ۔ اس کے

علاوہ دکنی زبان میں فارسی کے الفاظ ہی نہیں بلکہ عربی کے الفاظ کا لب ولہجہ بھی دکنی انداز سے مقرر کرلیا گیا۔ جیسے مسجد کو مسیت اور عربی اور فارسی کے گاڑھے الفاظ کو تبدیل کرنے کا انداز دکنی میں موجود ہے۔ جیسے عربی کے ع کے بجائے الف کا استعمال جیسے جمع کو جماء سماع کو سما۔ یہی نہیں بلکہ ض کی گاڑھی آواز کو جا سے تبدیل کیا گیا جیسے روضہ کو روجا، وغیرہ۔ دکنی میں نون غنہ کی خصوصیت کو نظر انداز کردیا گیا۔ دکنی کا صوتی لب ولہجہ عربی اور فارسی کے پیچیدہ الفاظ کو رواں کردینے پر قادر ہے جیسے باغ کو باگ اور چراغ کو چراگ میں تبدیل کیا گیا۔ جبکہ اردو زبان میں یہ فرق محسوس کیا جاسکتا ہے۔ دکنی کی ادبی نثر کی خصوصیت یہی ہے کہ اس دور کے دکنی نثر نگاروں نے وضاحتی نثر تمثیلی نثر اور مسجع اور مقفٰی کو فروغ دیا۔ رمزیہ نثر بھی اس دور کی امتیازی خصوصیت رہی۔ ملا وجہی کی دکنی نثر میں رمزیہ اور تمثیلی انداز نمایاں ہے۔ اس کی لکھی ہوئی معروف داستاں "سب رس" میں انشائیہ کا طرز بھی موجود ہے۔ دکنی ادبی نثر میں فارسی نثری اصناف کی خصوصیات موجود ہیں۔ اردو کی ادبی نثر میں افسانوی اور غیر افسانوی انداز نمایاں ہے۔ تذکرہ نویسی، انشائیہ نگاری، انشاء پردازی مضمون نگاری، لغت نویسی اور قواعد نویسی جیسے انداز کو غیر افسانوی نثر اور داستاں، رمزیہ تمثیل اور حکایت نویسی کو افسانوی نثر کا موقف حاصل ہے۔ اردو کی ادبی تاریخ میں لوک ادب کا انداز موجود نہیں، جبکہ دکن کے باشندوں نے عوامی محفلوں اور میلے ٹھیلوں کو بنیاد بنا کر دکنی کے لوک ادب کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ماہ محرم کی مختلف محفلیں جیسے الاوہ کھیلنا، لنگر نکالنا، علم بٹھانا، مرثیے پڑھنا، وادعیہ پڑھنا اور ایسے ہی کئی رسم ورواج شہادت حسین کے پس منظر میں دکن میں عام ہوگئے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی پیدائش یعنی ماہ ربیع الاول میں مجالس کے انعقاد کے لئے شاعری میں نور نامے، مولود نامے، میلادنامے، معراج نامے پڑھنے کا رواج عام ہوا، جو دکنی ادب میں لوک ادب کی خصوصیت ہے۔ عوامی خوشی کے موقع پر لوری نامے، چکی نامے، چرخے نامے اور ڈھولک کے گیت پیش کئے جاتے تھے، جو دکنی کے لوک ادب کی اہم شناخت ہے۔ دکنی شاعروں نے عوامی میلے ٹھیلے اور مختلف عوامی تقاریب جیسے عاشورہ، میلا دالنبی، عید غدیر، نوروز، دیوالی، ہولی، شب برأت، بسنت اور پوریوں کی عید کو بھی شعری انداز سے پیش کیا۔ دکنی کے بجائے اردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو دہلی، لکھنو، رامپور، بھوپال اور عظیم آباد کا شعری اور نثری ورثہ شمالی ہند کی یادگار ہے لیکن اس شمالی ہند کے ذریعہ اردو میں لوک ادب پیدا نہیں ہوا، بلکہ بیشتر دکنی الفاظ کو متروک قرار دے کر اردو نثر اور شاعری اشرافیہ کی روایت سے وابستہ کردیا گیا۔ دکن کے علاقوں میں بہمنی، قطب شاہی، نظام شاہی، عادل شاہی، برید شاہی اور آصف شاہی دور سے وابستہ اور شاہانہ سرپرستی کی پروردہ ہوکر دکنی ادب کا حق ادا کرتی رہی۔ دکنی زبان دکن سے شمالی ہند میں

داخلے کے بعد اردو زبان وادب میں جاگیردارانہ نظام اور اعلیٰ طبقے کے طور طریقوں کا چلن عام ہوتا گیا۔ جس کی وجہ سے اردو کے شعر وادب میں اشرافیہ کو شامل کرنے کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اردو زبان عوام کے بجائے خواص کی زبان اور امیر وامراء کی درباری زبان کا موقف حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے بجائے دکن میں دکنی کے نام سے جس اردو کو فروغ حاصل ہوا، اس زبان میں عوامی خصوصیات اور میلے ٹھیلوں کی نمائندگی موجود رہی۔ اس لئے دکنی میں لوک ادب کی مثالیں موجود ہیں۔ شمالی ہند میں اشرافیہ کے تسلط سے دبستان دہلی، دبستان لکھنو ہی نہیں بلکہ دربار رامپور، دربار بھوپال اور دربار حیدرآباد سے وابستہ حکمرانوں کی سرپرستی کی وجہ سے اردو زبان وادب پر اشرافیہ کا اثر شدید ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ دکنی زبان میں خواص کے علاوہ عوام کے طرز زندگی کی نمائندگی ملتی ہے۔ جسے لوک ادب کا درجہ حاصل ہے۔ جس کے بعد شمالی ہند میں لکھے جانے والے شعری ونثری کارناموں میں عوامی انداز کے بجائے اشرافیہ کا انداز جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اس کے بجائے دکنی زبان میں لوک ادب کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے دکن میں ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 2.8 سے رجوع کریں

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے:۔

۱۔ جنوبی ہند کے علاقے میں سب سے پہلے بول چال کی زبان اور پھر تحریری زبان کی حیثیت سے فروغ پانے والی زبان کو دکنی کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔(   )

۲۔ دکن کے باشندوں نے عوامی محفلوں اور میلے ٹھیلوں کو بنیاد بنا کر دکنی کے لوک ادب کی طرف خصوصی توجہ نہ دی۔(   )

۳۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے ''نورس نامہ'' لکھ کر موسیقی کے اظہار کو شاعری سے وابستہ کر کے دکنی شاعری کو اعزاز بخش دیا۔(   )

۴۔ عبدل نے ''ابراہیم نامہ'' قصیدہ لکھا (   )

2.3.3۔دکنی ادب کے اہم مراکز:۔

دکنی زبان وادب کا آغاز دکن میں محمد تغلق کے 1327ء میں دولت آباد پایہ تخت تبدیل ہونے کے بعد ہوا۔دہلی سے صوفیہ کرام، بزرگان دین اور عام باشندوں نے ترک وطن کر کے دولت آباد میں سکونت اختیار کی۔دہلی کے باشندوں کا دکنی مرکز دولت آباد قرار پایا۔بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد دکنی زبان کے مراکز کی حیثیت سے گلبر گہ اور بیدر کو مقبولیت حاصل ہوئی۔جب دکن میں پانچ نئی سلطنتوں کا آغاز ہوا تو بیجا پور، گولکنڈہ، احمد نگر اور برار تک دکنی کے مراکز کو توسیع حاصل ہوئی۔ابتدائی دور میں گجرات اور احمد آباد کو دکنی ادب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی، جس کے بعد رفتہ رفتہ دکنی زبان نے کرناٹک، مرہٹواڑہ، تلنگانہ، ٹاملناڈ اور ساحلی تلنگانہ کے علاقوں میں مقبولیت حاصل کی۔جس کے نتیجے میں حیدرآباد، ترچنا پلی، کڑپہ، کرنول، نظام آباد، عادل آباد، ورنگل، رائچور، بیجاپور، اورنگ آباد، بیڑ، پربھنی، ناندیڑ اور عثمان آباد کے علاقے دکنی مرکز کے حدود میں داخل ہو گئے۔تاملناڈو کے علاوہ ویلور، اننت پور، چتور اور کھمم کے ساحلی علاقوں میں بھی دکنی زبان نے اپنے وجود کو منوایا۔دکن کے علاقہ میں بادشاہوں کے اقتدار کے نتیجے میں دکنی ادب کے ابتدائی مراکز قائم ہوئے، جن میں گجرات، احمد آباد، دولت آباد، گلبر گہ، بیدر، بیجاپور، گولکنڈہ اور احمد نگر کے علاوہ برار کے علاقوں کو وسطی دکنی ادب کے مراکز کا درجہ حاصل ہوا۔موجودہ دور میں ریاست تلنگانہ کے تمام ترتیس اضلاع اور مرہٹواڑہ کے سات اضلاع، کرناٹک کے دس اضلاع اور ٹاملناڈ کے چھ اضلاع کے علاوہ پونا، ناسک اور ناگپور کے نواحی علاقوں میں آج بھی دکنی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔کرناٹک میں بنگلور، میسور، بیدر، رائچور ملکاپور اور بیجاپور کے علاوہ ریاست حیدرآباد کے زیر انتظام تمام علاقوں میں آج بھی دکنی بول چال اور تحریری زبان کا درجہ رکھتی ہے۔اس طرح دکنی ادب کے ابتدائی مراکز اور وسطی مراکز کے علاوہ موجودہ مراکز میں دکنی اور اردو کی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔قدیم دکنی ادب تیرھویں صدی سے شروع ہو کر سترھویں صدی عیسوی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔بہمنی سلطنت، قطب شاہی سلطنت اور عادل شاہی سلطنت نے دکنی کی قدیم روایات کو فروغ دیتے ہوئے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، غزل، ریختی، شہادت نامے، سکھ سہیلا اور جکری جیسی شعری اصناف کو فروغ دیا۔قدیم دکنی کی لفظیات اور جدید دکنی کی لفظیات میں فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔قدیم دکنی شاعر، عربی اور فارسی الفاظ کو دکنی املا کے ساتھ استعمال کرتے اور دکنی تحریری اصولوں کی پابندی کرتے تھے، جس کی وجہ سے دکنی کی امتیازی خصوصیات برقرار رہیں، جو سولھویں صدی کے بعد اختتام پذیر ہوئی لیکن۔بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد دکنی شاعری کو فروغ حاصل ہوا، چنانچہ نذیر دہقانی،

اعجاز حسین کھٹا، سرور ڈنڈا اور سلیمان خطیب جیسے شاعروں نے دکنی جدید شاعری کو دوبارہ فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ان شاعروں نے نظم، گیت، پہیلیاں اور چووں کے ذریعے دکنی شعر و ادب کی نمائندگی کی۔ اکیسویں صدی میں دکنی غزل، دکنی گیت اور چووں کے علاوہ نثر نگاری کی وجہ سے اس زبان کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔قدیم دکنی نثر کی نمائندگی مذہبی اور روحانی رسالوں اور داستاں گوئی سے ہوئی۔حضرت برہان الدین جانم کے رسالے ''کلمتہ الحقائق'' اور ملا وجہی کی داستان "سب رس" کی وجہ سے قدیم دکنی نثر کو شہرت حاصل ہوتی ہے۔ واجدہ تبسم نے اپنے افسانوں میں دکنی نثر کا استعمال کیا ہے۔غرض قدیم دکنی شاعری اور نثر نگاری اپنے علاقوں میں محدود ہو گئی ،لیکن بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد جدید دکنی شاعری اور نثر نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔اس طرح آج کے دور میں دکنی شاعری کو عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہے اور دکنی ادب کی سر پرستی کرنے والے حیدر آباد کے رسالے کی حیثیت سے شگوفہ کو ادبی مقام حاصل ہے جو تقریباً چالیس سال سے پابندی سے حیدر آباد سے طنز و مزاح کے رسالے کی حیثیت سے شائع ہو رہا ہے، جس میں ہند پاک ہی نہیں بلکہ یوروپی دنیا میں بسنے والے اردو داں طبقہ کی تخلیقات بھی شائع ہوتی ہیں۔ غرض دکنی ادب کا قدیم سرمایہ کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔ دکنی کے اہم شہ پارے وقفہ وقفہ سے شائع کئے جا رہے ہیں اور اب بھی ان کی تدوین اور اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ جدید دکنی شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنانے والے شاعروں کا کلام بہ پابندی شائع ہوتا رہتا ہے۔ اب تو دکنی شاعروں نے دکنی زبان میں حمد و نعت اور منقبت ہی نہیں بلکہ عصری مسائل پر غزلیں لکھ کر دکنی ادب کی نمائندگی کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ بے ہوش محبوب نگری نے دکنی میں نعتیں ، پاگل عادل آبادی نے دکنی میں غزلیں ،سلیمان خطیب نے دکنی میں مسائل کی شاعری اور گیت و نظمیں لکھیں۔غرض چکی نامہ، چرخہ نامہ، لوری نامہ، اور ڈھولک کے گیت کے ذریعہ دکنی شاعری کا سفر شروع ہوا تھا۔آج کے دکنی شعراء اردو کی جدید شعری اصناف کو پیش کرتے ہوئے دکنی شاعری کے سفر کو تیز گام بنانے میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ جو دکنی شاعری کی ترقی کی علامت ہے۔

2.4۔عمومی جائزہ :۔

دکنی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے دور کو جنوبی ہند کے علاقے میں بہمنی حکومت (1347ء۔1527) اور اس کے بعد دکن میں پانچ نئی سلطنتوں کے قیام، جیسے عادل شاہی سلطنت بیجا پور، قطب شاہی سلطنت گولکنڈہ، برار، نظام شاہی سلطنت احمد نگر اور عماد شاہی سلطنت بیدر کے

توسط سے دکنی زبان آہستہ آہستہ پروان چڑھنے لگی۔اس سے پہلے صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے علاؤالدین خلجی کے دیوگری پر حملے (1294ء)اور محمد بن تغلق کے دولت آباد پر حکمرانی (1327ء) کے دوران دکنی زبان کے ابتدائی نقوش کی پرورش کی۔

تغلق دور تک صوفیائے کرام کے قافلے ترچنا پلی اور مدراس تک پہنچ چکے تھے۔پائے تخت کی تبدیلی کے بعد دہلی سے ترکِ وطن کر کے دولت آباد، خلدآباد اور کاغذی پورہ میں سکونت اختیار کرنے والے صوفیائے کرام میں حضرت سعید یوسف شاہ راجو قتال، حضرت بابو جلال، حضرت نظام الدین چہاردہ صد اولیاء، حضرت برہان الدین غریب، حضرت امیر حسن علی سجزی، حضرت زین الدین داؤد شیرازی اور حضرت نصیر الدین پون بیک کے کارناموں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ان بزرگوں نے دیوگری کے تین علاقوں، دولت آباد، کاغذی پورہ اور روضہ خلدآباد میں قیام کے دوران پیرانِ طریقت کے ملفوظات کو فارسی میں پیش کیا۔چنانچہ حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہی دہلوی کے ملفوظات کو حضرت امیر حسن علاء سجزی نے فوائدالفوائد کے نام سے مرتب کیا، جبکہ ان کا فارسی دیوان بھی شائع ہو چکا ہے۔حضرت برہان الدین غریب نے محبوبِ الٰہی کے ملفوظات کو احسن اقوال کے نام سے مرتب کیا، جبکہ برہان الدین غریب کے ملفوظات کو ان کے مرید و خلیفہ حضرت زین الدین شیرازی نے ہدایت القلوب کے نام سے ترتیب دیا۔دولت آباد کی سرزمین میں تحریری دکنی ادب کے آغاز سے قبل زبانی دکنی ادب پروان چڑھ رہا تھا، جس کے ذریعے مولود نامے، شہادت نامے، وفات نامے اور الوداع نامے زبانی سنانے کا رواج عام تھا۔ماہِ محرم میں وفات نامے، شہادت نامے اور الوداع نامے سنا کر شہادتِ کربلا کی روایت کو برقرار رکھا گیا۔اسی طرح ولادتِ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ماہِ ربیع الاول میں زبانی مولود نامے، معراج نامے اور ولادت نامے پیش کر کے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نمایاں کیا جاتا رہا۔

عوام میں چکی نامے، لوری نامے اور ڈھولک کے گیتوں کا چلن عام تھا۔اس طرح دکنی میں عوامی ادب اور مذہبی ادب تحریری سطح پر نمایاں ہونے سے قبل زبانی ادب کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔دولت آباد، کاغذی پورہ اور روضہ خلدآباد کے علاقوں میں مثنوی نگاری کے ذریعے حضرت سعید یوسف شاہ راجو قتال، حضرت بندہ نواز نے 1331ء میں مثنوی سہاگن نامہ اور 1369ء میں حضرت زین الدین داؤد شیرازی کی لکھی ہوئی مثنوی ترملک نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تحریری ادب کے ابتدائی نقوش ابھی خال خال تھے۔

اس کے بعد دکن کے مختلف علاقوں میں بزرگانِ دین کی آمد کے ساتھ ساتھ ادب کے ابتدائی نقوش کو بھی فروغ حاصل ہوا۔بہمنی دور

میں گلبرگہ اور بیدر کو پایہ تخت بنایا گیا۔گلبرگہ میں حضرت سید محمد بندہ نواز کی نثری کتابیں معراج العاشقین اور شکارنامہ سے تحریری زبان کا ثبوت ملتا ہے۔ بیدر میں فخر الدین نظامی بیدری نے اردو کی پہلی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ تحریر کی، جو 1425ء تا 1435ء کی تصنیف قرار دی جاتی ہے اور دکنی ادب کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔اس کے بعد بہمنی دور کے وزیرِ اعظم خواجہ محمود گاواں نے 1472ء میں بیدر کے مقام پر مدرسہ محمود گاواں قائم کیا، اور دکن کے علاقوں میں صوفیائے کرام کی آمد کی وجہ سے رسالہ نویسی کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔اس دور میں حضرت میراں جی شمس العشاق، حضرت برہان الدین جانم اور حضرت امین الدین علی اعلیٰ نے دکنی زبان میں چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر تحریری زبان کا ثبوت فراہم کیا۔دکن کی بہمنی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت اور گولکنڈا میں قطب شاہی سلطنت کا آغاز ہوا۔ بیجاپور کے صوفی شاعر برہان الدین جانم کے کئی رسائل میں دکنی رسالہ کلمۃ الحقائق کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔دکنی رسالہ نویسی کی وجہ سے صوفیائے کرام نے راز کی باتوں کو نمایاں کرنے کے لیے رسالہ نویسی کو وسیلہ بنایا۔گولکنڈا کے تین بادشاہ دکنی میں شاعری کرتے تھے اور عادل شاہی بادشاہوں نے بھی خود دکنی شاعری کی اور اس کی سرپرستی کی۔

غرض قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں لکھی جانے والی شاعری میں مثنوی کو خاص اہمیت حاصل ہوئی، اس کے علاوہ رزمیہ شاعری، قصیدہ گوئی، مرثیہ نگاری، غزل گوئی اور ریختی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔قطب شاہی دور میں ملا وجہی نے اردو کی پہلی نثری داستان سب رس 1635ء میں لکھی، جبکہ ان کی مثنوی قطب مشتری بھی اہمیت کی حامل ہے۔عادل شاہی اور قطب شاہی دونوں ادوار کو دکنی شاعری کے آغاز اور تحریری زبان کے ارتقا کا درجہ حاصل ہے۔شمالی ہند اور جنوبی ہند کو ملانے والے علاقوں میں گجرات اور برہان پور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔علاؤالدین خلجی کے دور میں ہی گجرات کا بڑا حصہ مسلمانوں کے تصرف میں آ چکا تھا اور تغلق دور میں اس علاقے پر مسلمانوں کے اثرات مزید مرتب ہوئے۔احمد آباد کے مشہور شاعر شیخ خوب محمد چشتی کی کتابیں خوب ترنگ اور امواج میں بھی دکنی عناصر موجود ہیں۔احمد آباد کے علاوہ برہان پور سے تعلق رکھنے والے شیخ بہاؤالدین باجن نے شعروادب کی نمائندگی کرتے ہوئے سندھ اور خراسان کا سفر کیا۔ان کی زبان گوجری یا گجری کہا جاتا ہے، جسے آج کے دور میں دکنی کا درجہ حاصل ہے۔

2.5۔فرہنگ:۔

موقف	مقام،کھڑے ہونے کی جگہ
مخفف	اختصار کیا گیا
اسماء	کئی قسم،ایک سے زیادہ نام
ثقیل	بھاری،مشکل
روایت	کوئی رسم یا دستور جو پہلے سے قائم ہو
سلاطین	بادشاہ،سلطان
ملفوظات	کسی بزرگ کے ارشادات
شائستگی	تہذیب،اخلاق،مروت،آدمیت
رزمیہ	جنگ، بہادری اور شجاعت سے متعلق۔
آبیاری	پانی دینا،سینچنا
وافر تعداد	کثیر تعداد
نقوش	نقش ونگار،نشانات

2.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۴۔ دکنی ادب کے ابتدائی دور کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

۵۔ دکن کے ابتدائی شعرا و ادبا نے اردو ادب کی تشکیل اور ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

۶۔ دکن میں ادبی تخلیق کے ابتدائی نقوش میں صوفیائے کرام کی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

۳۔ دکنی ادب کے ابتدائی نقوش پر نوٹ قلمبند کریں؟

2.7۔ مشقی سوالات

سوال 1:۔ خلجی اور تغلق عہد میں اردو زبان کی ابتدائی تشکیل کن لسانی عناصر کے امتزاج سے ہوئی ؟

____

____

____

____

____

____

سوال2:۔ صوفیائے کرام نے اردو زبان کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟

____

____

____

____

____

____

2.8۔ جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

جواب۔ا:۔اس دور میں فارسی، عربی اور ترکی زبانیں مقامی ہندی بولیوں کے ساتھ مل کر ایک نئی زبان کی صورت اختیار کرنے لگیں۔ عوامی میل جول، فوجی کیمپوں اور شہری زندگی میں یہی زبان رفتہ رفتہ اردو کی بنیاد بنی۔

جواب۔۲:۔صوفیائے کرام نے عوام سے رابطے کے لیے مقامی زبان کا استعمال کیا، جس سے وہ زبان زیادہ مؤثر اور مقبول ہوئی۔ان کی خانقاہوں، ملفوظات اور تبلیغی سرگرمیوں نے اردو کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جواباتِ سرگرمی۔

ا۔صحیح ۲۔صحیح ۳۔صحیح ۴۔صحیح

2.9۔امدادی کتب:۔

ا۔	پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات۔
۲۔	نصیر الدین ہاشمی	دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء
۳۔	ڈاکٹر محی الدین قادری زور	دکنی ادب کی تاریخ، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۶۰ء
۴۔	نصیر الدین ہاشمی	دکنی کلچر، مجلس ترقی اردو، لاہور، ۱۹۶۳ء
۵۔	ڈاکٹر شری رام، مولوی غلام رسول	دکنی زبان کا آغاز اور ارتقا، ساہتیہ اکیڈیمی آندھرا پردیش حیدرآباد، ۱۹۶۷ء

سبق نمبر۔۳: دکنی کی لسانی خصوصیات

ساخت:۔

3.0۔ اغراض ومقاصد

3.1۔ تعارف

3.2۔ دکنی کی لسانی خصوصیات

3.3۔ دکنی کی ادبی خصوصیت

3.4۔ عمومی جائزہ

3.5۔ فرہنگ

3.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

3.7۔ مشقی سوالات

3.8۔ جواتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

3.9۔ امدادی کتب

3.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکنی زبان کی لسانی خصوصیات کو سمجھ سکیں اور اس کی بنیادی ساخت اور پہچان کو واضح طور پر بیان کر سکیں۔آپ یہ جان سکیں گے کہ دکنی اردو کن لسانی اثرات کے تحت وجود میں آئی اور اس میں مختلف زبانوں کا کس حد تک عمل دخل ہے۔آپ اس قابل ہوں گے کہ دکنی زبان میں الفاظ کے استعمال، تلفظ، محاورات اور روزمرہ کی نمایاں خصوصیات کو پہچان سکیں اور یہ فرق واضح کر سکیں کہ دکنی اور معیاری اردو میں کیا امتیازات پائے جاتے ہیں۔اس کے ساتھ آپ دکنی زبان میں سادگی، روانی اور عوامی رنگ کی جھلک کو بھی بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے۔آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ دکنی زبان نے ابتدائی اردو ادب کو کس طرح ایک مضبوط بنیاد فراہم کی اور اس کے ذریعے ادب کو عوام کے قریب لانے میں کیا کردار ادا کیا گیا۔مزید یہ کہ آپ دکنی کے ادبی استعمال اور اس کے اثرات کو بھی واضح کر سکیں گے۔

آخر میں آپ اس نتیجے تک پہنچنے کے قابل ہو جاؤ گے کہ دکنی کی لسانی خصوصیات اردو زبان کی ترقی میں کس قدر اہم رہی ہیں اور انہوں نے بعد کے ادبی ادوار کو کس طرح متاثر کیا۔اس طرح آپ اس سبق کے اہم نکات کو ایک منظم اور آسان انداز میں پیش کرنیکے قابل ہو جائیں گے۔

3.1۔ تعارف:۔

دکنی زبان اپنی قدامت کے لحاظ سے اگر چہ مشکل لگتی ہے لیکن یہ کچھ لسانی خصوصیات و امتیازات کی بھی حامل ہے۔ان لسانی خصوصیات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جغرافیائی لحاظ سے ہند آریائی زبانوں کے علاقے سے دور ارتقا پاتی ہے اور ہند آریائی زبانوں کے علاوہ چند دراوڑ زبانون سے بھی اختلاط کرتی ہے۔ان پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے اور خود بھی ان سے اثر قبول کرتی ہے۔اس کے نتیجے میں جو لسانی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں وہ ہمیں دکنی اردو کی صوتی، صرفی اور نحوی سطح پر صاف نظر آتی ہیں۔ان لسانی خصوصیات کی چند مثالوں کے مطلع سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اردو سے کس قدر مختلف نظر آتی ہیں۔

3.2۔دکنی کی لسانی خصوصیات:۔

دکنی میں استعمال ہونے والے الفاظ اس کے استعمال کا معاملہ دوسری زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔لسانی پس منظر میں اس زبان نے سنسکرت سے استفادہ کیا ہے۔سنسکرت زبان میں جملے کی ترتیب کے دوران سب سے پہلے فاعل اور اس کے بعد مفعول اور آخر میں فعل کا استعمال ہوتا ہے۔دکنی زبان میں جملوں کی ترتیب سنسکرت طرز کی نمائندہ ہے۔اسلئے لسانی اعتبار سے دکنی زبان کو مغربی ہندی کے ایک اہم انداز یعنی کھڑی بولی کی شاخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔مغربی ہندی اور کھڑی بولی کا تعلق ہندوستانی لسانیات میں ہندآریائی زبانوں کے قبیلے سے قائم ہے۔دکنی میں استعمال ہونے والے بیشتر الفاظ کا اختتامیہ ’’آ‘‘ والی آوازوں پر ہوتا ہے۔اسلئے دکنی کو کھڑی بولی کی ایک شاخ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔دکنی کی شناخت لسانی اعتبار سے چار اہم خصوصیات کی حامل ہے۔ان چار خصوصیات کی وجہ سے دکنی زبان دوسری ہندآریائی خاندان کی دکنی زبان میں جمع بنانے کا آسان طریقہ اس زبان کی پہلی شناخت ہے، جو دکنی کو دوسری آریائی زبانوں سے الگ کرتی ہے۔ہر لفظ کے اختتام پر ’’اں‘‘ کا اضافہ کر کے جمع بنانا بلاشبہ فارسی کے توسط سے دکنی کا حصہ بن گیا۔چنانچہ عورت سے عورتاں، مرد سے مرداں، خوب سے خوباں، دیوار سے دیواراں وغیرہ دکنی زبان میں آسان جمع بنانے کی پہلی خصوصیت ہے۔دکنی زبان کی شناخت کی دوسری خصوصیت کسی بھی لفظ پر زور دینے کے لئے علامت تاکیدی ’’چ‘‘ کا استعمال ہوتا ہے جیسے دیکھتا سے دیکھتاچ ،لکھنا سے لکھتاچ وغیرہ۔ ایساچ، ویساچ، ادھراچ ، یہانچ، وانچ وغیرہ۔اسی انداز کو دکنی زبان کی دوسری امتیازی خصوصیت کا درجہ حاصل ہے، دکنی کی تیسری امتیازی خصوصیت کی حیثیت سے طویل لفظ کو مخفف کر دیا جاتا ہے۔

دکنی میں طویل مصوتے اور مصمتے کو مختصر کرنے کا رواج ہے۔جیسے ہاں کو ’’ہو‘‘ نہیں کو ’’نیں‘‘ اور کاہے کو کے بجائے ’’کیکو‘‘ کے استعمال ملتے ہیں۔دکنی زبان کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ دکنی زبان میں اگر فاعل مونث جمع ہو تو فعل بھی جمع کی حالت میں استعمال کیا جاتا ہے۔جیسے لڑکیاں آتیاں ہیں، روٹیاں کھاتیاں ہیں، چراغاں جلاتیاں ہیں، سالناں پکاتیاں ہیں۔

ان چار خصوصیات کو لسانی اعتبار سے صرف دکنی زبان کی شناخت کا درجہ حاصل ہے۔اس طرح دکنی زبان کی لسانی پہچان آسان اور دلچسپ اسلئے ہے کہ اس زبان نے ہندآریائی کی شاخ مغربی ہندی سے استفادہ کر کے کھڑی بولی کی ’آ‘ والی آوازوں کے ساتھ چار مختلف طریقے

اپنائے اور یہی مختلف طریقے دکنی زبان کی انفرادی لسانی خصوصیت کا پتہ دیتے ہیں۔

3.3۔ دکنی کی ادبی خصوصیت:۔

زبان کے الفاظ اور اس کے استعمال کے طریقے میں تبدیل کو پیش نظر رکھنا ادبی خصوصیت کی دلیل ہے۔دکنی زبان کے ادب کی پہلی خصوصیت اس زبان میں مذکر اور مونث کے اصولوں میں تبدیلی موجود ہے۔اردو کی طرح دکنی زبان میں بھی بیشتر الفاظ سنسکرت،عربی، فارسی اور ترکی سے حاصل کیے گیے ہیں۔دکنی ادیبوں اور شاعروں نے ہر بے جان چیز کے اظہار کے لیے مذکر کے صیغے کو استعمال کیا۔مذکر اور مونث کی یہ تعریف دوسری زبانون میں دکھائی نہیں دیتی آج کی اردو میں لکڑی کے بنے ہوے میز کو اچھا ہے کیا جاتا ہے جبکہ اسی لکڑی کی بنی ہوئی کرسی کو اچھی ہے صیغے میں استعمال کیا جاتا ہے،دکنی زبان میں جتنی بھی بے جان چیزیں دنیا میں موجود ہیں ان کے اظہار کے لئے مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے دکنی کی ادبی خصوصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دکنی کی دوسری ادبی خصوصیت یہ ہے کہ جو بھی لفظ تلفظ کے اعتبار سے جس انداز کے ساتھ پڑھا جائے گا اسی انداز سے لکھا بھی جائے گا اسلئے دکنی زبان میں صوتی املا کا استعمال کیا گیا۔آج کی اردو میں سنسکرت الفاظ چاند اور سورج لکھے جاتے ہیں۔جبکہ دکنی میں سنسکرت املا چندر اور سرج کا استعمال حقیقی املا کی نشاندہی کرتا ہے۔عربی اور اردو میں استعمال ہونے والا لفظ مسجد کے بجائے مسیت کا صوتی املا دکنی میں شامل ہوا۔عربی کی مشکل آوازوں کو سادہ اور آسان کیا گیا۔ہم صوتی آوازوں کے لئے کسی ایک لفظ کا استعمال کیا جانے لگا۔جس کی وجہ سے دکنی زبان میں یہ ادبی صورتحال دیکھی گئی کہ اس کی شاعری اور نثر نگاری میں صوتی املا کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ کے املا کے لئے دکنی کا حقیقی املا اختیار کیا گیا۔اس طرح لسانی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ادبی اعتبار سے بھی دکنی کی خصوصیات کو املا جملہ اور اظہار کے اعتبار سے صوتی بنیاد سے مربوط کیا گیا۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے دکنی کی لسانی خصوصیات کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 3.8 سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجئے:۔

۱۔ اردو کی طرح دکنی زبان میں بھی بیشتر الفاظ_________ اور ترکی سے حاصل کیے گیے ہیں۔

۲۔ دکنی میں طویل_________________ کو مختصر کرنے کا رواج ہے۔

۳۔ مغربی ہندی اور کھڑی بولی کا تعلق___________ میں ہند آریائی زبانوں کے قبیلے سے قائم ہے۔

۴۔ دکنی زبان میں اگر________ جمع ہو تو فعل بھی جمع کی حالت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے لڑکیاں آتیاں ہیں۔

3.4۔ عمومی جائزہ:۔

عصر حاضر میں صوتی املا کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے جیسے Photo کے بجائے Foto اور اسی طرح Night کے بجائے Nite کا انگریزی میں استعمال صوتی املا کی دلیل ہے جسے عصر حاضر میں قبول کیا جارہا ہے، جبکہ دکنی زبان نے اپنی ادبی خصوصیت کو نمائندگی دینے کے لئے آج سے سو سال قبل ہی صوتی املا کی خصوصیت کو استعمال کر کے ثابت کر دیا کہ دکنی زبان اپنے دور میں نئے طریقوں کو اختیار کرنے والی دکن کے علاقے کی ایسی زبان رہی جو اپنے دور میں دوسری زبانوں سے زیادہ ترقی یافتہ زبان کا درجہ رکھتی تھی۔

3.5۔ فرہنگ:۔

استفادہ	فائدہ اٹھانا، نفع حاصل کرنا۔

توسط	درمیان، بیچ، ذریعہ۔

مخفف	گھٹایا گیا، ہلکا کیا گیا۔

مصوتے	کسی جگہ رکے بغیر منہ سے نکلنے والی آواز (مثال: آ،اے،ای،او)

مصمتے	منہ سے رگڑ کے ساتھ نکلنے والی آوازیں۔(مثال: مصوتوں کو چھوڑ کر حروف تہجی میں شامل تمام آوازیں)

صوتی املا	کسی لفظ کو اس کی اصل آواز کے مطابق لکھا جائے

پس منظر	حالات واسباب جو کسی بات یا واقعہ کو ظہور میں لانے کا باعث ہوں۔

3.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔دکنی اردو پر جنوبی ہند کی کن کن زبانوں کا اثر ہے؟

۲۔دکنی اردو کی اہم لسانی خصوصیات بتائیے؟

۳۔دکنی زبان کی لسانی خصوصیات سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

۴۔دکنی زبان میں صوتی) آوازوں(کی خصوصیات کو مثالوں کے ساتھ بیان کریں۔

۵۔دکنی زبان کے صرفی اور نحوی نظام کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟ تفصیل سے لکھیں۔

۶۔دکنی زبان پر مقامی زبانوں) تلگو، کنڑ، مراٹھی (کے اثرات کو واضح کریں۔

۷۔دکنی زبان کے الفاظ اور محاورات کی خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔

۸۔دکنی اور معیاری اردو کے درمیان لسانی فرق کو مثالوں کے ساتھ بیان کریں۔

۹۔دکنی زبان کی سادگی اور عوامی رنگ اس کی لسانی خصوصیات میں کس طرح ظاہر ہوتا ہے؟

۱۰۔دکنی ادب میں استعمال ہونے والی زبان کی نمایاں لسانی خوبیاں کیا ہیں؟ توضیح کریں۔

3.7۔ مشقی سوالات

سوال۔۱:۔ دکنی زبان میں صوتی سطح پر کون سی نمایاں لسانی خصوصیات پائی جاتی ہیں؟

سوال۔۲:۔ دکنی زبان کی لغوی تشکیل میں کن زبانوں اور بولیوں کا اثر نمایاں نظر آتا ہے؟

3.8۔ جواباتِ سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات

جواب۔۱:۔ دکنی زبان میں بعض حروف کے تلفظ میں تبدیلی اور سادگی پائی جاتی ہے جو اسے معیاری اردو سے الگ کرتی ہے۔ مقامی

لہجوں اور علاقائی اثرات کے باعث دکنی کے صوتی آہنگ میں انفرادیت پیدا ہوئی ہے۔

جواب ۔۲:۔دکنی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں عربی، فارسی اور مقامی ہندی بولیوں کے الفاظ شامل ہیں۔ یہ لسانی امتزاج دکنی ادب کو وسعت اور علاقائی شناخت عطا کرتا ہے

جوابات سرگرمی۔

۱۔ سنسکرت،عربی،فارسی

۲۔مصوتے اور مصمتے

۳۔ہندوستانی لسانیات

۴۔فاعل مونث

3.9۔امدادی کتب:۔

۱۔مرزا خلیل احمد بیگ	اردو کی لسانی تشکیل،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۰ء
۲۔علی رفاد فتیحی	اردو لسانیات، این سی پی یو ایل،نئی دہلی 2018ء
۳۔نصیر الدین ہاشمی	دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو،نئی دہلی ۱۹۸۵ء
۴۔جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو (حصہ اول)
۵۔پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی خصوصیات

سبق نمبر۔۴: بہمنی دور

ساخت:۔

4.0۔ اغراض ومقاصد

4.1۔ تعارف

4.2۔ بہمنی دور میں اردو کے فروغ کے اسباب

4.3۔ بہمنی دور کے مذہبی، سماجی اور ثقافتی کارنامے

4.4۔ عمومی جائزہ

4.5۔ فرہنگ

4.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

4.7۔ مشقی سوالات

4.8۔ جوابات سرگرمی/مشقی سوالات کے جوابات

4.9۔ امدادی کتب

1.0 ۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ دکن کے بہمنی دور کے تاریخی پس منظر کو سمجھ سکیں اور یہ واضح کرسکیں کہ اس

دور میں سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات کیسے تھے۔ آپ یہ جان سکیں گے کہ بہمنی سلطنت کے قیام نے دکن میں کس طرح ایک مضبوط تہذیبی اور ادبی فضا قائم کی۔ آپ اس بات کو سمجھنے لگیں گے کہ اس دور میں مختلف قوموں، زبانوں اور ثقافتوں کے اختلاط نے نئی تہذیب کو جنم دیا اور اسی کے نتیجے میں دکنی زبان اور ادب کو فروغ ملا۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ دربار اور صوفیائے کرام کی سرپرستی نے ادب اور زبان کی ترقی میں کس طرح اہم کردار ادا کیا۔ آپ یہ ادراک حاصل کریں گے کہ بہمنی دور میں اردو زبان کی ابتدائی صورت کیسے سامنے آئی اور کس طرح اس نے عوامی سطح پر اپنی جگہ بنائی۔ ساتھ ہی آپ اس دور کے ادبی ماحول، شعرا اور تخلیقی رجحانات کو بھی سمجھ سکیں گے۔

آخر میں آپ اس نتیجے تک پہنچ سکیں گے کہ بہمنی دور نے نہ صرف دکن کی تاریخ بلکہ اردو زبان و ادب کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور بعد کے ادوار کی ترقی کے لیے راہ ہموار کی۔ اس طرح آپ اس سبق کے اہم نکات کو واضح اور سادہ انداز میں بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

4.1۔ تعارف:۔

دکن کے علاقہ میں دراوڑی اور آریا دونوں قومیں آباد تھیں اور مذہبی اعتبار سے ملک کے تمام باشندے آریاؤں کے احکامات کے پابند تھے۔ دکن کے مختلف علاقوں میں آریائی زبانوں کو برتری حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے سنسکرت اور اس سے پیدا ہونے والی علاقائی زبانوں کو اہم مقام حاصل تھا۔ مہاراشٹر کے سارے علاقے میں آریائی زبانوں کا تسلط تھا۔ مہاراشٹر کے علاقے برار اور مرہٹواڑہ میں بسنے والے باشندے آریائی زبانوں کے علاوہ دراوڑی زبانوں کا استعمال بطور بول چال کی زبان استعمال کرتے تھے۔ دکن کے مشہور علاقہ جیسے کرناٹک، تلنگانہ، آندھرا کے علاوہ تمل ناڈو جیسے مقامات میں آریائی زبانوں کے بجائے دراوڑی زبانوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ بارہویں صدی عیسوی تک دکن علاقوں میں مرہٹی زبان کے علاوہ دراوڑی زبانوں میں تلگو، کنڑی تمل اور ملیالم کو فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ ان زبانوں میں لوک ادب کے علاوہ عوامی ادب کے ساتھ ساتھ تحریری ادب کی بنیاد مستحکم ہو چکی تھی۔ مہاراشٹرا کے علاقے پٹن میں سنت گیانیشور نے 1290ء میں اپنی مشہور تصنیف ''گیانیشوری'' تحریر کی اسی طرح کنڑی، تلگو اور تمل کے علاوہ ملیالم زبانوں میں لوک ادب اور عوامی ادب کو فروغ حاصل ہوا لیکن تحریری ادب کا سلسلہ شروع نہ ہو سکا تھا۔ ناگارجنا علاقے میں سنسکرت کی مشہور یونیورسٹی قائم تھی جہاں بدھ مت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دنیا کے کونے

کونے سے طلبہ آتے اور تربیت حاصل کرتے تھے۔ دکن کے علاقے میں تو بہمنی سلطنت کے توسط سے اس حکومت کے وزیر اعظم خواجہ محمود گاواں نے علاقے کی آبادی کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے 1472ء میں مدرسہ ''محمود گاواں'' کے نام سے مکمل عمارت سے آراستہ کیا جسے جنوبی ہند کی پہلی جامعہ یا یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے۔ اس یونیورسٹی میں تعلیم و تدریس کا حد درجہ جدید انتظام تھا۔ دور دراز کے علاقوں سے علم حاصل کرنے کی غرض سے اس جامعہ میں داخلہ حاصل کرنے والوں کو اقامتی سہولت بھی فراہم کی جاتی تھی۔ بیدر کے علاقہ میں اب بھی اس دور کی شان و شوکت کی نمائندہ مدرسہ ''محمود گاوں'' کی شکستہ عمارت کے آثار موجود ہیں، جنہیں دیکھنے سے اس دور کے ایرانی فن تعمیر کے اعلیٰ معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دور میں درس و تدریس کے لئے کتابوں کی فراہمی ممکن نہیں تھی کیونکہ کاغذ بنانے کا انتظام نہیں تھا اور لکھنے کے لئے قلم اور سیاہی کا انتظام بھی نہیں تھا۔ لوگ ہاتھ سے کاغذ بنا کر ڈنٹل یا جانوروں کے پروں کے آخری حصہ کو ہاتھ سے بنائی جانے والی سیاہی میں ڈبو کر لکھنے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ مدارس اور درسگاہوں کی کمی کی وجہ سے آبادی کا بہت بڑا حصہ حروف شناس ہوتا تھا، لیکن لکھنے کا فن بہت کم لوگوں کو آتا تھا۔ مسجد سے متصل دینی مدرسے اور مندر سے متصل گوروکل میں مفت تعلیم کا انتظام تھا، وہیں پر تعلیم حاصل کرنے والے اپنی ذاتی لیاقت سے پڑھنا لکھنا سیکھ لیتے تھے۔ خواتین کو صرف حروف شناسی سکھائی جاتی تھی اور انہیں لکھنے سے دور رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں پرانی کتابوں کو نقل کر کے انہیں درسی کتاب کی طرح پڑھایا جاتا تھا کیونکہ اس دور تک طباعت اور اشاعت کا کام شروع نہیں ہوا تھا۔ غرض تیرہویں صدی عیسوی تک شمالی ہند اور دکن کے علاقے جو آج جنوبی ہند کہلاتے ہیں، ان تمام علاقوں میں کتاب، قلم اور دوات کا طریقہ عام نہیں ہوا تھا، البتہ کتابوں کو چاہنے والے بڑی مشکل سے کاغذ حاصل کر کے پرانی کتابوں کو نقل کرتے اور ان کتابوں کی تدریس کے ذریعہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس وقت تک کتابوں کی اشاعت کا چلن عام نہیں تھا بلکہ قلمی کتابوں اور مخطوطات Manuscript کو بڑی حفاظت کے ساتھ پڑھے لکھے لوگ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور دلچسپی رکھنے والے حضرات ان قلمی کتابوں کو حاصل کر کے ان کی نقلیں تیار کرتے تھے۔ مسلم معاشرہ میں عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی میں لکھی ہوئی کتابوں کی نقلیں تیار کرنے کا رواج عام تھا۔ اسی طرح جنوبی ہند کے ہندو معاشرے میں سنسکرت کے علاوہ جنوبی ہند میں پھیلنے والی پانچ اپ بھرنش جیسے شورسینی اپ بھرنش، ماگدی اپ بھرنش، اردماگدی اپ بھرنش، مہاراشٹری اپ بھرنش اور پشاچی اپ بھرنش کے علاوہ دراوڑی زبانوں میں بھی تاڑ کے پتوں اور مٹی کی تختیوں پر لکھنے کا رواج عام تھا۔ بیشتر سنسکرت اور دراوڑی زبانیں جاننے والے مسلمانوں کی زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

ہر دو طبقے کے افراد کسی نہ کسی طرح تعلیم وتدریس سے واقفیت کے بعد لکھنے کی صلاحیت حاصل کرنے سے تو انہیں دلچسپی ہوتی تھی وہ کسی طرح بھی آریائی زبانوں یا پھر دراوڑی زبانوں کے علاوہ مسلمانوں کی زبانوں میں لکھی ہوئی قلمی کتابوں کی نقل تیار کی جائے، تا کہ ان کتابوں کی نقلوں سے طالب علموں کو درس دینے اور پڑھانے میں سہولت حاصل ہو جائے۔اس طرح ہندوستان کے معاشرے میں شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی درس گاہوں اور مدرسوں کی کمی کے باوجود پڑھنے اور پڑھانے کا چلن عام ہوتا جارہا تھا،لیکن لکھنے اور کتابوں کو نقل کرنے کا رواج کم کم ہی تھا کیونکہ انسانی آبادیاں جن جن علاقوں میں موجود تھیں، وہاں تعلیم اور مدرسے کے انتظام کی سہولت نہیں تھی۔سب سے پہلے بہمنی بادشاہوں نے اپنے اقتدار کے دوران یہ محسوس کیا کہ تعلیم کو عام کرنے کے لئے مدرسہ کی گنجائش فراہم کی جانی چاہیے، چنانچہ بیدر کے علاقہ میں سب سے پہلے مدرسہ محمود گاواں کا قیام عمل آیا تو اس مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہ اور انتظامی اخراجات کے علاوہ طلبہ کے لئے رہائش کی سہولت اور انہیں پڑھنے لکھنے کا سامان فراہم کرنے کی تمام تر ذمہ داری بہمنی سلطنت کے بادشاہوں کے اوپر تھی۔ جب عادل شاہی سلطنت کے بادشاہوں کو شکست دے کر 1665ء میں اورنگ زیب عالمگیر جیسے مغل بادشاہ نے بیجاپور پر قبضہ کرلیا اور اس کی فوج بیدر کے مشہور مدرسہ محمود گاواں کی عمارت کو دیکھی تو حد درجہ حیرت میں مبتلا ہوئے اور وہاں تعلیم کا انتظام کرنے والے اساتذہ اور طلبہ کی دلچسپی کو دیکھ کر متاثر ہوئے اورنگ زیب کے دور تک بھی مدرسہ محمود گاواں میں تعلیم وتدریس کا انتظام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔حکومت یا کسی خانگی ادارہ کی طرف سے تعلیم کو فروغ دینے اور تعلیمی ادارے قائم کرنے کا رواج نہیں تھا۔مسجد کے مولوی، مندر کے پجاری اور مٹھ میں زندگی گزارنے والے سادھو اور رشی بھی تعلیم کا اہتمام کیا کرتے تھے۔دکن کے علاقے میں قبل مسیح کے دوران ناگارجنا کونڈا میں اہم یونیورسٹی کے قیام اور بہمنی دور میں بیدر کے مقام پر جدید علوم وفنون کی یونیورسٹی کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔اس طرح دکن کے علاقے میں قبل مسیح کے دوران اور چودھویں صدی کے دوران حکومتی سطح پر تعلیمی ادارے قائم کرنے کی روایت عام ہو چکی تھی۔غرض دکن کے علاقے میں بہمنی دور کے آغاز سے قبل دکن کے علاقہ اور شمالی ہند میں کسی مدرسہ یا یونیورسٹی کے قیام کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ تکشیلا میں قبل مسیح کے دوران یونیورسٹی کے قیام کا پتہ چلتا ہے۔

4.2۔بہمنی دور میں اردو کے فروغ کے اسباب:۔

بہمنی دور کو دکن میں باہمی اتحاد اور شعر وادب کو فروغ دینے کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔بہمنی سلاطین نے دہلی سے دولت آباد

(دیوگری) کا رخ کیا تو دہلی سے دولت آباد آنے والے فارسی کے شاعروں اور ادیبوں نے دکن کے پہلے مرکز یعنی دولت آباد میں علمی و ادبی کارنامے انجام دیے۔ 1400 پالکیوں کے ذریعہ دولت آباد میں تشریف لانے والے صوفیہ کرام اور بزگارن دین کا تعلق علوم روحانی اور اسلامیات کے ماہر کے علاوہ تہذیب اور اخلاق کو فروغ دینے والے افراد میں شامل تھا۔ اس دور میں دولت آباد کے قریبی علاقے جیسے کاغذی گوڑہ اور روضہ کو ادبی مرکز کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ حضرت منتخب الدین زرزری زربخش، حضرت نصیر الدین پون پیک، حضرت امیر خسرو کے پیر بھائی صاحب فوائد الفواد حضرت علاؤ الدین حسن سجزی اور حضرت بابو جلال، حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال کے علاوہ حضرت برہان الدین غریب نے سب سے پہلے دولت آباد کا رخ کیا، جس کے بعد حضرت زین الدین داؤد شیرازی، حضرت خواجہ حسن شیرازی اور دوسرے بزرگوں نے اس علاقے کا سفر کیا۔ حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال حسینی کے ساتھ ان کی اہلیہ اور صاحبزادے حضرت سید محمد بندہ نواز بھی دولت آباد تشریف لائے۔ حضرت شاہ راجو قتال حسینی کی فارسی کتاب " تحفۃ النصائح اور دکنی شعری مجموعہ دیوان راجا کے علاوہ 67 اشعار پر مشتمل مثنوی" سہاگن نامہ" دستیاب ہے، جسے دکنی کی پہلی مثنوی قرار دیا جائے گا۔ حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال نے 1326ء میں پائے تخت قرار پانے سے قبل دولت آباد کا رخ کیا اور 1331ء میں وصال فرمایا۔ اس وقت حضرت بندہ نواز کی عمر گیارہ سال بتائی جاتی ہے جبکہ ان کے ماموں دولت آباد کے مستوفی کے عہدے پر فائز تھے۔ سالار جنگ میوزیم کے قلمی کتب خانے اور ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطات میں سہاگن نامہ کا نسخہ موجود ہے، جسے گیان چند جین نے اس دور کا نسخہ قبول نہیں کیا، جب کہ ڈاکٹر زور نے اسے بندہ نواز کے والد کی تصنیف اور پروفیسر ثمینہ شوکت نے اپنی کتاب ''بندہ نواز کے شکارنامے اور مماثلیے'' میں ''سہاگن نامہ'' کے اشعار اور اس کی تشریحات پیش کی ہیں۔ اس دور کے دوسرے بزرگ حضرت زین الدین داؤد شیرازی نے پایہ تخت کی تبدیلی کے بعد دولت آباد کا رخ کیا اور 1369ء میں بمقام روضہ انتقال فرمایا۔ اس علاقہ کو آج کے دور میں خلد آباد کہا جاتا ہے۔ حضرت زین الدین داؤد شیرازی کی مثنوی ''نرلک نامہ'' دستیاب ہوئی ہے، جسے بہمنی دور کی ابتدائی مثنوی کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت بندہ نواز سے منسوب رسالہ معراج العاشقین بھی بہمنی دور کی یادگار ہے۔ بہمنی دور میں ٹھیٹ ادبی مثنوی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" مصنفہ فخر دین نظامی بیدری کو اردو کی اولین دستیاب مثنوی کا درجہ حاصل ہے جو 1425ء اور 1435ء کے درمیان لکھی گئی۔ بہمنی دور میں دولت آباد کو مسکن بنانے والے کئی بزرگان دین نے اپنے پیرو مرشد کے بیانات اور خطبوں کو ''ملفوظات'' کی شکل میں تحریر کیا۔ چنانچہ حضرت

نظام الدین محبوب الٰہیٰ کے ملفوظات کو ان کے مرید وخلیفہ حضرت برہان الدین غریب نے احسن الاقوال کی حیثیت سے ترتیب دیا، اسی طرح حضرت برہان الدین غریب کے اقوال اور خطابت کو حضرت زین الدین شیرازی نے ''ہدایت القلوب'' کے نام سے تحریر کیا۔ بہمنی دور تک دولت آباد کے علاقے روضہ (خلدآباد) میں 13 ملفوظات مرتب کئے گئے۔ غرض ان بزرگوں کے تصنیفی وتالیفی کارناموں کے علاوہ بہمنی سلطنت کے دور میں شعروادب کی نمائندگی کرنے والے افراد میں حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز، سید اکبر حسینی، فخر دین نظامی بیدری، حضرت سید شاہ صدرالدین حسینی، حضرت عبداللہ حسینی، مشتاق، لطفی اور آزری کے علاوہ شاہ میراں جی شمس العشاق کے کارنامے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان بزرگوں نے دکنی میں شعروادب کی بنیاد رکھی، جس سے بہمنی دور میں دکنی ادب کو تہذیب، اخلاق، شائستگی اور مذہبی رواداری سے مربوط ہونے کا موقع ملا۔ اس لئے بہمنی دور کے سلاطین کے کارناموں کے ساتھ اس دور کے علمی اور ادبی کارناموں کو سند کا درجہ حاصل ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے بہمنی دور کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 4.8 سے رجوع کریں

خالی جگہ پر کیجیے:۔

ا۔ دکن میں بہمنی دور کو کئی حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے۔ بہمنی سلطنت کا آغاز_____ کے حملے اور محمد بن تغلق کے دولت

۲۔ آباد کو_______ بنانے کے بیس سال بعد ہوا۔ 1347ء سے لے کر 1527ء تک ایک سو اسی سال جیسے طویل

۳۔ عرصے تک_______ نے پہلے گلبرگہ اور پھر______ جیسے اہم تاریخی مقامات کو پائے تخت کا درجہ دے کر حکمرانی انجام دی۔

4.3۔ بہمنی دور کے مذہبی، سماجی اور ثقافتی کارنامے:۔

دکن کے علاقے میں پہلے گلبرگہ اور پھر بیدر کو پایہ تخت بنا کر ایرانی نسل سے تعلق رکھنے والے بہمنی سلاطین نے 1347ء سے 1527ء تک حکمرانی کی، بہمنی دور کے کچھ کم دوسو سالہ عہد میں مذہبی، سماجی اور ثقافتی کارنامے انجام دیے گئے، بہمنی سلاطین نے اپنے دور میں مذہبی اتحاد کو قائم کر کے کچھ کم دوسو سال کے عرصہ میں ہندو مسلم اتحاد کی روایت کو فروغ دیا۔ بہمنی دور میں سماجی مساوات کو عروج حاصل ہو چکا تھا۔ بہمنی سلاطین نے جہاں شعر و ادب کی سر پرستی کی وہیں ان بادشاہوں کو فنِ تعمیر، خوش خطی، موسیقی اور مصوری سے بڑی دلچسپی تھی۔ بہمنی دور کی مشہور عمارتوں کی طویل فہرست ہے، جن میں کئی بزرگان دین کی گنبدوں کے علاوہ گلبرگہ اور بیدر میں بادشاہوں کی گنبدیں اور بیدر میں مشہور جامع مسجد کے علاوہ مدرسہ محمود گاواں کی تعمیر کردہ عمارتوں کا سلسلہ ہے، جس سے بہمنی بادشاہوں کی ثقافت سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ بہمنی بادشاہوں کے درباروں سے ہر فن کے ماہرین وابستہ تھے۔ اس طرح بہمنی سلطنت کے بادشاہوں نے اپنے دور میں دکن کے سارے علاقے میں مذہبی اور سماجی اتحاد کی نئی روح پھونکی اور ثقافتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں ہر طبقات کو نمائندگی دے کر دکن کے علاقے میں دو قوموں کے درمیان آپسی اتحاد کا ماحول تیار کر دیا اور اسی ماحول میں دکنی زبان کو فروغ پانے کا موقع حاصل ہو گیا۔

4.4۔ عمومی جائزہ:۔

دکن میں بہمنی دور کو کئی حیثیتوں سے اہمیت حاصل ہے۔ 1327ء میں محمد بن تغلق نے دیوگری (دولت آباد) کے بادشاہ کو شکست دے کر دلی کے پائے تخت کو دولت آباد منتقل کیا اور امیر و امراء ہی نہیں بلکہ صوفیہ کرام اور بزرگان دین کو بھی نئے پائے تخت میں قیام کا حکم سنایا تغلق نے مسافروں کی سہولت کے لئے مسافر خانے، سرائے اور سڑکیں بنائیں۔ دہلی کی بہت بڑی آبادی دولت آباد منتقل ہوئی۔ دولت آباد کے سفر کے دوران بے شمار دہلی کے باشندوں کی موت واقع ہونے کی خبر محمد تغلق کو ملی تو اس نے دوبارہ دہلی منتقل ہونے کا اعلان کر دیا۔ سفر کی مشکلات جھیل کر دولت آباد پہنچنے والے بزرگوں نے دلی واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ محمد تغلق دولت آباد سے روانگی کے وقت سو امیروں کا ایک گروہ ''امیرانِ صدہ'' کی ترتیب عمل میں لائی اور اس کی سربراہی حسن کے سپرد کی محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز تغلق بادشاہ ہوا۔ اس کی ناکام حکمرانی سے فائدہ اٹھا کر امیرانِ صدہ کے سربراہ حسن نے گلبرگہ کو پائے تخت بنا کر بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ 1347ء میں علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے لقب سے

نئی سلطنت کا آغاز ہوا۔ سلطنت کے ہر بادشاہ کو علم و فضل اور شعر و حکمت سے دلچسپی تھی۔ بہمنی سلطنت کے جملہ اٹھارہ بادشاہ حکمران ہوئے۔ بہمنی اقتدار کو دکن میں باہمی میل جول کی وجہ سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ بہمنی سلاطین کی حکمرانی تلگو، کنڑی اور مرہٹی علاقوں پر تھی۔ بادشاہوں کے درباروں سے عالم و فاضل وابستہ رہتے تھے۔ فیروز شاہ بذات خود شاعر تھا۔ محمد شاہ کے زمانے میں بڑے بڑے شہر قائم ہو چکے تھے۔ گلبرگہ، بیدر، قندھار دولت آباد اور ایلچ پور جیسے علاقوں میں مدرسے قائم کئے گئے۔ فیروز شاہ ریاضی، ہندسہ، ہیت اور فلسفہ کا ماہر تھا، اسے علوم اسلامی پر پوری مہارت حاصل تھی وہ ہفتہ میں تین دن طلبہ کو درس دیا کرتا تھا۔ اس نے دریائے بھیما کے کنارے شہر فیروز آباد آباد کیا۔ اس کے دور میں حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز نے گلبرگہ کا رخ کیا۔ احمد شاہ بہمنی کے زمانے میں منظوم تاریخ ''بہمن نامہ'' اور ''تاریخ فرشتہ'' لکھی گئی۔ محمد شاہ بہمنی کے دور میں بیدر کے مقام پر مدرسہ محمود گاواں قائم کیا گیا۔ جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک جاری تھا۔ بہمنی سلاطین نے سلطنت کی ترقی میں حصہ لیتے ہوئے حکومت کو مستحکم کیا اور عوام میں اعتماد پیدا کیا۔ بہمنی سلاطین کے دور میں دکنی کو فروغ حاصل ہوا اور علمی و ادبی کارنامے انجام دیے گئے۔ حضرت بندہ نواز کی تصانیف آج بھی موجود ہیں۔ اس دور میں مذہبی بزرگان دین نے تصوف اور روحانیات کی تعلیم و تدریس کے لئے مذہبی رسالے لکھے۔ اس کے علاوہ محرم منانا، بارہ وفات منانا، کونڈوں کی تقریب اور عید نوروز کی تقاریب میں بہمنی سلاطین نے مقامی باشندوں کو شریک کیا۔ عاشور خانے تعمیر کئے۔ مقامی باشندوں نے بہمنی سلاطین پر اعتماد کیا، جس کے نتیجے میں دونوں قوموں کے اتحاد اور میل جول کی وجہ سے دکنی زبان کو بہمنی دور کی اہم زبان کا موقف حاصل ہو گیا۔ بہمنی سلاطین کی حکمرانی، اڑیسہ، مال، تلنگانہ، آندھرا، کرناٹک اور تاملناڈو کے علاوہ گوا کے علاقوں تک پھیل گئی تھی۔ اس دور میں کیرلا کے علاقے کو معبر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ غرض بہمنی سلاطین نے مکمل جنوبی ہند پر حکمرانی کا کارنامہ انجام دیا۔

4.5۔ فرہنگ:۔

پائے تخت	دارالحکومت یا وہ مرکزی شہر جہاں سے کسی ملک کا نظام چلایا جاتا ہے۔
وصال	ملنا، ملاپ، ملاقات۔ مجازاً یہ موت یا انتقال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔
مخطوطات	ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں۔

ٹھیٹ	خالص، اصلی بالکل، شروع کا
ملفوظات	کسی بزرگ، صوفی یا مذہبی رہنما کے زبان سے نکلے ہوئے اقوال، ارشادات یا کلام
سلاطین	سلطان کی جمع یا بادشاہوں کی ایک بڑی تعداد یا گرہ۔
اقتدار	اختیار، طاقت، غلبہ یا کسی پر حکم چلانے کی صلاحیت۔
تسلط	غلبہ، حکومت، زور
توسط	میانہ روی، درمیان کا راستہ، اعتدال
مستحکم	مضبوط، پائیدار، پختہ
مربوط	ربط کیا گیا، وابستہ، لگا ہوا
درس و تدریس	پڑھنا پڑھانا
متصل	ملا ہوا، نزدیک، قریب
اقلیت	شمار میں کم ہونا
پیرہن	لباس، کرتہ، پوشاک

4.6۔ نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ بہمنی دور کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالئے؟

۲۔ نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ بیاں کیجئے؟

۳۔ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کی دکن میں آمد سے اردو کو کیا فائدہ پہنچا؟

۴۔ بہمنی بادشاہوں کے عہد میں علم و ادب کو جو سرپرستی حاصل ہوئی اس پر روشی ڈالئے؟

۵۔ احمد شاہ بہمنی کے دور سے بہمنی سلطنت کے ختم ہونے تک کے واقعات وحالات بیان کیجیے؟

4.7 ۔مشقی سوالات:۔

سوال ۔ا:۔بہمنی سلطنت کے قیام اوراس کے دکنی ادب پر اثرات کو بیان کیجیے۔

سوال ۔۲:۔بہمنی دور میں دکنی زبان کی ترقی کے اسباب کیا تھے؟

4.8۔ جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔۱:۔ بہمنی سلطنت کا قیام 1347ء میں عمل میں آیا جس کے نتیجے میں دکن میں سیاسی استحکام پیدا ہوا اور دکنی زبان و ادب کو فروغ حاصل ہوا۔

جواب۔۲:۔ بہمنی سلاطین کی سرپرستی، درباری ماحول اور مقامی بولیوں کے امتزاج نے دکنی زبان کی نشو و نما میں اہم کردار ادا کیا۔

جوابات سرگرمی۔

۱۔علاؤالدین خلجی

۲۔پائے تخت

۳۔بہمنی صلاطین

۴۔بیدر

4.9۔ امدادی کتب:۔

۱۔	اردو کی ادبی تاریخ	پروفیسر عبدلقادر سروری	۱۹۵۸ء	حیدرآباد
۲۔	داستان ادب اردو	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	۱۹۸۲ء	حیدرآباد
۳۔	مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسین خان	۱۹۷۸ء	حیدرآباد
۴۔	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	ڈاکٹر جمیل جالبی	۱۹۹۳ء	دہلی
۵۔	دکنی غزل کی نشو و نما	ڈاکٹر محمد علی اثر	۱۹۸۶ء	حیدرآباد
۶۔	پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات		

سبق نمبر۔۵: قطب شاہی دور

ساخت:۔

5.0۔ اغراض ومقاصد

5.1۔ تعارف

5.2۔ قطب شاہی دور

5.3۔ قطب شاہی دور کی خصوصیات

5.3.1۔ قطب شاہی دور کا شعروادب

5.4۔ عمومی جائزہ

5.5۔ فرہنگ

5.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

5.7۔ مشقی سوالات

5.8۔ جواباتِ سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات

5.9۔ امدادی کتب

5.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ قطب شاہی دور کے تاریخی پس منظر کو سمجھ سکیں، اس کے سیاسی، سماجی اور

ثقافتی حالات کا جامع ادراک حاصل کر سکیں اور یہ جان سکیں کہ اس دور کے ماحول نے ادب پر کس طرح اثر ڈالا۔آپ دکنی ادب کی ترقی میں قطب شاہی حکمرانوں کے کردار کو واضح طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس عہد کے اہم شعرا اور ادیبوں کی ادبی خدمات سے بھی واقف ہو جائیں گے۔مزید یہ کہ آپ اردو زبان کے ارتقاء اور اس کی لسانی خصوصیات کو پہچان سکیں گے اور اس دور کے ادب میں موجود مذہبی، اخلاقی اور جمالیاتی عناصر کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت حاصل کریں گے۔آپ مختلف ادبی اصناف میں قطب شاہی دور کی نمایاں خصوصیات کو سمجھنے کے ساتھ یہ بھی جان سکیں گے کہ اس عہد نے بعد کے ادوار میں اردو ادب کی بنیاد کو کس طرح مضبوط کیا۔

5.1۔تعارف:۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے وقت ترک نژاد سلطان قلی بھی اپنی جان بچا کر ایران سے دکن آیا اور محمود شاہ بہمنی ۱۴۸۲۔۱۵۱۸ء کے شاگردوں کے جرگے میں شامل ہو گیا۔یہ بالکل بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت کی بانی یوسف خاں کی طرح ہوا تھا۔شہزادہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی قابلیت اور وفاداری کی بدولت تیزی سے ترقی کر کے ۱۴۹۳ء تلنگانہ کا صوبے دار بن گیا۔محمود شاہ بہمنی کی موت کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے گولکنڈہ کو محمد نگر نام دے کر اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔اس نے ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جو کم وبیش ایک سواسی سال تک دکن پر قائم رہی۔قطب شاہی سلطنت تیلگو کے بیشتر علاقے پر قائم تھی۔

5.2۔قطب شاہی دور:۔

دکن کے علاقے میں بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد پانچ نئی مسلم سلطنتوں کا آغاز ہوا،سب سے پہلے عادل شاہی سلطنت نے بیجاپور کے علاقہ میں اپنی حکمرانی شروع کی،اس دور میں گولکنڈہ کو مرکزی حیثیت کا درجہ دے کر قطب شاہی بادشاہوں نے حکمرانی کا آغاز کیا۔چنانچہ گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر، برار اور بیدر میں نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ نے 1518ء میں تلنگانہ کے صوبہ دار کی حیثیت سے بہمنی سلطنت کا اطاعت گزار تھا،جب بہمنی سلطنت کا 1510ء میں زوال ہوا تو سلطان قلی نے خود مختاری کا اعلان کر کے قطب شاہی حکومت کی بنیاد رکھی،اس نے اپنی حکومت کو وسعت دینے کے لئے 60 تا 70 قلعے فتح کئے اور اپنی حکومت کو ورنگل سے لے کر مچھلی پٹنم

تک وسعت دی۔اس کے دور میں جہاں لڑائیاں ہوئیں، وہیں علم وفن کی ترقی بھی مسلمہ ہے۔سلطان قلی نے ''آش خانہ'' قائم کیا تھا،اس محل میں شاعراورادیب جمع ہوتے اوران کے کلام سے خود بادشاہ ہی نہیں، بلکہ عوام بھی مستفید ہوتے تھے۔آش خانہ بادشاہ وقت کا خاص محل تھا،جس میں اہلِ ذوق حضرات جمع ہوتے تھے۔قطب شاہی سلطنت کے جملہ آٹھ بادشاہ حکمراں ہوئے،سلطان قلی کے بعد جمشید قلی اور پھر سبحان قلی اور ابراہیم قلی کے بعد محمد قلی اور آخر میں محمد قطب شاہ،عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ کے دور میں اورنگ زیب عالمگیر کے حملے کے بعد 1687ء میں قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں اس سلطنت کو عروج حاصل ہوا اور گولکنڈہ میں بسنے والے افراد کی ذہنی، ادبی، تعلیمی اور تعمیری ترقی کا سلسلہ شروع ہوا۔اس دور میں دکنی شعروادب کو فروغ حاصل ہوا۔سلطان قلی صرف سات سال تک حکمران رہا اور اپنے بیٹے جمشید قلی کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔جمشید قلی کی حکمرانی بھی سات سال رہی جس کے بعد سبحان قلی نے چند مہینے حکومت کی اور ابراہیم قلی نے زائد از اکیس سال تک حکمرانی کی۔اس کے دربار میں عربی، فارسی اور ترکی ہی نہیں، بلکہ تلگو اور دکنی کی سرپرستی کا سلسلہ جاری تھا۔تاریخ قطب شاہی کا مصنف ابراہیم قلی کے علم وفن کی تعریف وتوصیف کرتا ہے۔ابراہیم قلی کے بعد محمد قلی نے بارہ سال تک حکومت کی اور اس کے بعد محمد قطب شاہ نے پندرہ سال، جبکہ عبداللہ قطب شاہ کی حکمرانی 48 سال تک جاری رہی اور آخر میں ابوالحسن تانا شاہ نے 14 سال حکومت کی اور اس کے دور میں قطب شاہی حکومت کے تقریباً دوسو سال کا عہد روبہ زوال ہوا۔قطب شاہی دور میں دکنی کو فروغ حاصل ہوا اور دکنی شاعری میں فارسی کے زیر اثر مثنوی، قصیدہ، رباعی، غزل اور مرثیے کی اصناف کو ترقی ہوئی۔شعروادب کے علاوہ مدرسے، خانقاہیں، مسجدیں اور منادر ہی نہیں، بلکہ وسیع بازار، سرسبز باغات، پانی کی نہریں اور شاندار عمارتوں سے شہر کو آراستہ کیا گیا۔بادشاہوں کو عیش وطرب سے دلچسپی تھی،اس لئے پرفضاء مقامات اور باغوں کی تفریح ان کی خصوصیت تھی۔اس طرح گولکنڈہ کے قطب شاہی اقتدار کے دوران امن وامان رہا اور عوام خوشحال تھے، زراعت، تجارت اور علم وفن کو ترقی حاصل ہوئی۔غرض پورے قطب شاہی دور میں شعر گوئی کا سلسلہ دراز کرنے والے شاعروں کی تعداد قریب قریب 32 بتائی گئی ہے، جنہوں نے شعر گوئی اور نثر نگاری کی طرف توجہ دیتے ہوئے دکنی زبان کی سرپرستی کا حق ادا کیا۔خود سلطان محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ نے دکنی میں شاعری کی قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کے دور میں ملا وجہی اور غواصی کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا گیا۔اس دور میں ہمہ منزلہ عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ مدارس اور شفاء خانوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، جس کی وجہ سے قطب شاہی دور کے کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔چارمینار، جامع مسجد، مکہ مسجد، بادشاہی عاشور خانہ، دارالشفاء اور خواب گاہ نعل صاحب کو قطب شاہی

دور کی مایہ ناز عمارتوں کا درجہ حاصل ہے۔ ادبی پس منظر میں قطب شاہی دور شاعری کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے اور اس دور میں نثر کی ترقی سے زیادہ شاعری کی ترقی کا ثبوت ملتا ہے۔ قطب شاہی دور کے شاعروں نے خیالات کی پیشکشی کے لئے فارسی شعری اصناف کو پسند کیا، لیکن زبان کے استعمال اور اظہار کے رویے کے دوران دکنی طرز کو رواج دیا، جس میں فارسی اور عربی کے لفظ کم کم لیکن سنسکرت کے الفاظ کی زیادتی محسوس کی جاسکتی ہے، اس لئے قطب شاہی دور کا شاعری کو روانی کے ساتھ پڑھنے اور اس کے مطلب کی گہرائی تک پہنچنے میں دشواری ہوئی ہے کیونکہ دکنی ادب میں موجود سنسکرت الفاظ کا چلن موجودہ دور کی اردو شاعری کا تقاضہ نہیں ہے۔

5.3۔ قطب شاہی دور کی خصوصیات:۔

قطب شاہی دور کی امتیازی خصوصیات میں جہاں ترکی نسل کے بادشاہوں کی مقامی تہذیب سے محبت اور مقامی انداز کو اہمیت دینے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قطب شاہی بادشاہوں نے شعروشاعری کو بھی بڑی اہمیت دی، بلکہ علم وفضل اور مذہبیات کے علاوہ فنون لطیفہ کی ترقی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ قطب شاہی دور میں تعمیر شدہ عمارتیں جیسے چار مینار، مکہ مسجد، جامع مسجد، قطب شاہی گنبدیں اور موسی ندی پر بنائے جانے والے پل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس دور میں تعلیمی ترقی اور عوام کی صحت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ شہر میں بسنے والے افراد کے علاج و معالجے کے لئے ''دارالشفاء'' قائم کیا گیا۔ محرم کی عزاداری کے لئے بادشاہی عاشور خانہ، حسینی علم کا عاشور خانہ نعل صاحب کا عاشور خانہ اور لنگر حوض کے علاوہ چار کمانوں کی تعمیر اور اس کے قریب تین منزلہ پتھروں کی عمارت میں مسافروں کے لئے سرائے قائم کئے گئے۔ عوام کو پینے کے پانی کی سربراہی کے لئے تالاب ماں صاحبہ قائم کیا گیا۔ تعلیمی سرگرمیوں کے لئے حیات نگر کے علاقہ میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ قطب شاہی دور میں بیشمار عمارتیں تعمیر کی گئیں، جن میں دادمحل، ندی محل، گگن محل محل کوہ طور، حیدر محل اور ایسی ہی بیشمار عمارتوں سے شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا تھا، عمارت سازی کے علاوہ اس دور میں خوش نویسی، تصویر سازی اور مصوری کے علاوہ سنگ تراشی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قطب شاہی دور میں شہر حیدرآباد کی بنیاد رکھ کر اس کے مرکز سے چاروں طرف راستے بنائے گئے۔ نہر کے نظام کو فروغ دیا گیا۔ کئی باغات اور میوؤں کے درخت لگا کر عوام کو سہولتیں فراہم کی گئیں۔ قطب شاہی دور کے آرٹ کے نمونے اور ہر بادشاہ کی بنائی ہوئی تصاویر اور اس کے زرہ بکتر کے علاوہ لباس کے نمونے میوزیم میں آج بھی موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ قطب شاہی بادشاہوں نے اس دور کے تمام علوم وفنون کی ترقی میں حصہ لیا۔ حیدرآباد دکن

کے قلمی کتب خانوں میں اس دور کی فارسی اور عربی کے علاوہ دکنی مخطوطات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں نے شاعری اور نثر نگاری کی سر پرستی ہی نہیں کی، بلکہ مقامی عید و تہوار اور تقاریب کو بھی اہمیت دی۔ چنانچہ مسلم طبقے میں منائی جانے والی مذہبی تقاریب جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ کے علاوہ عید غدیر، عید میلاد اور عید نوروز کے علاوہ شہادت حسینؓ کی یاد کو تازہ کرنے کے طریقے اختیار کئے گئے، اس کے ساتھ ہی مقامی باشندوں کے عید تہوار جیسے بسنت، ہولی، دیوالی، دسہرہ اور دوسری مقامی تقریبوں کو بادشاہوں نے خود اہمیت دی، جس کا اندازہ قلی قطب شاہ کے دیوان سے لگایا جاسکتا ہے جس میں اس نے مقامی باشندوں کی عیدوں پر باضابطہ نظمیں لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ بادشاہ کو مقامی عید و تہوار سے دلچسپی رہی۔ قطب شاہی بادشاہوں نے دکنی کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شاعری میں مثنوی کی صنف ترقی یافتہ شکل میں عہد قطب شاہی کی یادگار بن گئی۔ دکنی کے دو شعراء ملا وجہی اور ملا غواصی کو شاہی دربار سے ''ملک الشعراء'' کے اعزاز سے نوازا گیا۔ بادشاہوں کی زبان تو فارسی تھی لیکن انہوں نے فارسی کی ترقی کے بجائے دکن میں عام بول چال کی حیثیت سے اہمیت حاصل کرنے والی دکنی زبان کو فروغ دینے پر پوری توجہ مرکوز کی۔ خود بادشاہوں نے دکنی زبان میں شاعری کر کے یہ ثابت کر دیا کہ بادشاہوں کا وطن تو ترکستان اور ایران تھا اور انہیں ترکی اور فارسی سے محبت تھی لیکن دکن میں آنے کے بعد انہوں نے اپنی ترکی اور فارسی کی چھاپ قائم کرنے کے بجائے ملک کی وطنی زبان کو پسند کر کے اسی زبان میں اپنے خیالات پیش کئے۔ یہی کارنامہ قطب شاہی دور کا ایسا ہے جسے اس دور کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

5.3.1۔ قطب شاہی دور کا شعر و ادب:۔

گولکنڈہ کو صدر مقام کا درجہ دے کر زائد از 200 سال تک حکومت کرنے والے قطب شاہی سلاطین نے اپنے دور میں شعر و ادب کی مکمل آبیاری کی طرف توجہ دی۔ قطب شاہی دور کا اقتدار سات بادشاہوں پر مشتمل ہے، جنہوں نے 1518ء سے 1687 حکمرانی کی۔ بادشاہوں نے بذات خود دکنی زبان اور شاعری کی سر پرستی کی۔ اس دور میں نثر کا رجحان خال خال رہا۔ البتہ شاعری کی تمام اصناف کو دکنی شاعروں نے فارسی سے مستعار لیا۔ فارسی کے انداز پر مثنوی نگاری، غزل گوئی، مرثیہ نویسی، قصیدہ نگاری، ریختی اور رباعی گوئی کی طرف توجہ دی گئی۔ عادل شاہی بادشاہوں کی طرح قطب شاہی بادشاہوں نے بھی فارسی کے بجائے دکنی ادب کی طرف توجہ دی۔ اس دور میں طویل مثنویاں لکھ کر قطب شاہی دور سے وابستہ شاعروں نے مذہبی مثنوی، عشقیہ مثنوی اور متصوفانہ مثنوی کے انداز کو فروغ دیا۔ غزل گوئی کے دوران حسن و عشق کی روداد

بیان کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی۔عشق مجازی کے علاوہ عشق حقیقی کے اظہار کے لئے صوفیہ کرام نے متصوفانہ غزل کو پروان چڑھایا۔کربلا کے واقعات کو مرثیے میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قصائد میں پیر طریقت اور شاہ وقت کے علاوہ نعتیہ قصیدہ کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔قلی قطب شاہ کے دیوان میں ریختی کا انداز اور رباعیات ہی نہیں، بلکہ نظم کی روایت کا انداز بھی دکھائی دیتا ہے۔قلی قطب شاہ کے کلام میں شاہی محلات پر لکھی ہوئی نظمیں اور بارہ پیاریوں پر موجود نظموں کے علاوہ عید وتہوار کی نمائندگی کرنے والی نظموں میں موضوعات کا تنوع موجود ہے۔قلی قطب شاہ نے غزل کی ہیئت میں نظمیں لکھی ہیں۔اس کے پہلے نظم گو شاعر کی حیثیت سے قلی قطب شاہ کے کلام میں رسم ورواج، عید وتہوار اور مقامی انداز کی نمائندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اردو کے نظم گو شاعر نظیر اکبر آبادی سے بہت پہلے سلطان قلی نے دکنی میں نظم نگاری کی بنیاد رکھ دی تھی۔تمام شعری اصناف کو فروغ دیتے ہوئے فارسی کی اصناف سے استفادہ کیا گیا۔نثر میں وضاحت کا انداز اور مذہبی نثر کے ذریعہ نہ صرف رسالے لکھے گئے، بلکہ سیرت کے موضوعات پر بھی نثر نگاری انجام دی گئی۔اس دور کی افسانوی نثر کی حیثیت سے ملا وجہی کی سب رس کو امتیازی مقام حاصل ہے، جسے اردو کی پہلی داستان کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی اور اس کتاب کے ذریعہ ملا وجہی نے بیک وقت تمثیل نگاری، رمزیہ انداز اور انشائیہ نگاری کے علاوہ تصوف کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے قصہ کہانی کی روش کو اختیار کیا ہے۔تمام شعری اصناف کے علاوہ قطب شاہی دور کی امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ اس دور میں قلی قطب شاہ کی غزل کی ہیئت میں نظم نگاری اور ملا وجہی کی مسجع ومقفیٰ نثر میں سب رس کی پیشکش کی وجہ سے قطب شاہی دور کو اردو ادب کی تاریخ میں شاعری اور نثر نگاری کی وجہ سے امتیازی مقام حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس دور تک ہندوستان کے کسی بھی خطے میں اس انداز سے شعر گوئی اور نثر نگاری پیش کرنے کا ثبوت نہیں ملتا جبکہ یہ انداز دکن کے علاقہ میں قطب شاہی دور کے توسط سے شعر وادب کی نمائندگی کا وسیلہ بن جاتا ہے، اس لئے قطب شاہی دور کے شعر وادب کو اردو کے ابتدائی تاریخی نمائندگی کرنے والے ادب کی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے قطب شاہی دور کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 5.8 سے رجوع کریں

خالی جگہ پر کیجئے:۔

ا۔قطب شاہی سلطنت کی بنیاد سلطان محمد قلی نے رکھی تھی جو۔۔۔۔۔۔سے دکن آکر بہمنی سلطنت کا ملازم ہو چکا تھا۔

۲۔بہمنی سلطنت کے کمزور ہو جانے کے بعد گولکنڈہ کی صوبے داری کو فروغ دیتے ہوئے سلطان محمد قلی نے ۔۔۔۔۔۔۔۔کی بنیاد رکھی اور گولکنڈہ کو پایہ تخت بنا کر جنوبی ہند کے بہت بڑے علاقے پر حکمرانی کی

۳۔اور اس کی حکومت۔۔۔۔۔۔۔تک پہنچ گئی۔سلطان قلی قطب شاہ نے 1518ء سے 1543 تک حکومت کی

۴۔جس کے بعد جمشید قلی قطب شاہ نے 1543ء سے 1550ء حکومت کی

۵۔جس کے بعد سبحان قلی ۔۔۔۔۔۔میں حکومت کر کے انتقال کر گیا۔

5.4۔عمومی جائزہ:۔

قطب شاہی سلطنت کی بنیاد سلطان محمد قلی نے رکھی تھی سلطان محمد قلی نے قطب شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی اور گولکنڈہ کو پایہ تخت بنا کر جنوبی ہند کے بہت بڑے علاقے پر حکمرانی کی۔سلطان قلی قطب شاہ نے 1518ء سے 1543ء تک حکومت کی ،جس کے بعد جمشید قلی قطب شاہ نے 1543ء سے 1550ء حکومت کی۔سبحان قلی کے بعد ابراہیم قطب شاہ نے 1550ء سے 1580ء تک حکومت کی ،جس کے بعد سلطان محمد قلی قطب شاہ نے 1580ء تا 1612ء حکمرانی کی ،جس کے بعد سلطان محمد قطب شاہ نے 1612ء سے 1626ء تک حکمرانی کی ، پھر اس کے بعد عبد اللہ قطب شاہ کا دور شروع ہوا۔اس نے 1626ء سے 1672ء تک حکمرانی کی ،اس دور میں اورنگ زیب کے حملے شروع ہو گئے۔عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد اس کا داماد ابوالحسن تانا شاہ نے 1672ء سے 1687ء تک حکومت کی۔اورنگ زیب کے حملے کے بعد قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔اس طرح آٹھ بادشاہوں کی حکمرانی میں گولکنڈہ کی سلطنت کو فروغ حاصل ہوا۔قطب شاہی بادشاہوں نے شعر وادب کی سرپرستی

انجام دی۔اس دور کے دو بڑے دکنی شاعروں کو بادشاہ کی طرف سے ''ملک الشعراء'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ ملا وجہی اور غواصی کو یہ اعزاز حاصل ہے قطب شاہی دور میں فارسی شعری اصناف کو دکنی میں فروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ دکنی شاعروں نے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، غزل اور سکھ سہیلا لکھ کر شاعری کی نمائندگی کی۔ قطب شاہی دور کا پہلا مثنوی نگار شاعر احمد کہلاتا ہے، جس نے ''یوسف زلیخا'' مثنوی لکھ کر شہرت حاصل کی۔ قطب شاہی دور میں مثنوی کی صنف کو فروغ حاصل ہوا۔ اس دور کے تین بادشاہوں قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ نے دکنی میں شاعری کی۔ قلی قطب شاہ کی شاعری میں رنگین بیانی اور عمارتوں کے علاوہ بارہ پیاریوں پر نظمیں موجود ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کی شاعری میں غمگین عناصر موجود ہیں۔ قطب شاہی دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ بادشاہوں نے اپنی عربی اور فارسی کو اہمیت دینے کے بجائے دکنی زبان کی ترقی وترویج میں حصہ لیتے ہوئے دکنی شاعروں کو انعام وکرام سے نوازا۔ اس دور سے وابستہ شعراء نے مثنوی، غزل، مرثیہ اور قصیدے کے علاوہ رباعی گوئی کی طرف توجہ دی۔ قطب شاہی دور کے فلاحی کارناموں میں بلند عمارتوں کی تعمیر، شفاخانے قائم کرنے کے علاوہ مسافروں کے رہنے اور کھانے کے انتظام کے لئے سرائے قائم کئے گئے۔ مساجد، خانقاہیں، اور بلند عمارتوں میں آج بھی چار مینار، مکہ مسجد، جامع مسجد، گولکنڈہ قلعہ، قطب شاہی گنبدیں، حیات نگر کا دینی مدرسہ، عاشور خانے اہمیت کے حامل ہیں، جن میں بادشاہی عاشور خانہ، الاوہ سرطوق، حسینی علم کا عاشور خانہ اور نقل صاحب کا عاشور خانہ، اس دور کی یادگار عمارتیں ہیں۔ اس طرح داد محل، محل کوہ طور، ندی محل، سجن محل، گگن محل اور حیدر محل اس دور کی ہمہ منزلہ عمارتیں تھیں۔ اس دور میں خوش خطی، مصوری، سنگ تراشی، موسیقی کے علاوہ فنون لطیفہ کے تمام شعبوں کو ترقی حاصل ہوئی۔ قطب شاہی دور کے معاشرے کو مشترکہ تہذیب کا علمبردار قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قلی قطب شاہ کی شاعری میں بسنت، ہولی، دیوالی پر نظمیں موجود ہیں، قطب شاہی دور کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کے بادشاہوں نے ملی جلی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے اقتدار کو قومی یکجہتی کا علمبردار بنا دیا۔

5.5۔فرہنگ:۔

اطاعت	تعمیل حکم، فرماں برداری
خودمختاری	آزادی، اختیار رکھنے کا عمل

مستفید	استعفادہ کرنے والا، فائدہ چاہنے والا
روبہ زوال	زوال پزیر، زوال آمادہ
فنون لطیفہ	وہ فنون جو انسان کی جمالیاتی حس کی تسکین کرتے ہیں، مثلاً: شاعری، موسیقی۔
سرپرستی	دیکھ بھال، نگہبانی
مستعار	مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا
تنوع	قسم قسم کا ہونا
عناصر	بنیادی اجزا، اصل جوہر یا حصے۔
زراعت	کاشتکاری، کھیتی باڑی
وسعت	پھیلاؤ، کشادگی، فراخی
مستفید	فائدہ اٹھانے والا، نفع پانے والا

5.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔قطب شاہی دور کا تاریخی پس منظر بیان کریں۔

۲۔قطب شاہی سلطنت کے قیام اوراس کے ارتقا پر روشنی ڈالیں۔

۳۔قطب شاہی دور میں دکن کی سیاسی اور سماجی حالت کا جائزہ لیں۔

۴۔قطب شاہی دور میں اردو) دکنی (زبان وادب کے فروغ کی وضاحت کریں۔

۵۔قطب شاہی دور کے اہم شعرا وادبا کی ادبی خدمات بیان کریں۔

۶۔قطب شاہی دور کی تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کو واضح کریں۔

۷۔قطب شاہی حکمرانوں کی سرپرستی میں ادب کی ترقی پر روشنی ڈالیں۔

۸۔قطب شاہی دور کے ادبی سرمایہ کی اہمیت اوراثرات بیان کریں

5.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔قطب شاہی سلطنت کے ابتدائی دور میں کن سیاسی اور معاشرتی عوامل نے دکنی زبان وادب کی تشکیل میں اہم کردارادا کیا؟

سوال۔۲:۔قطب شاہی سلطنت کے مختلف ادوار میں اقتدار کی منتقلی نے ریاستی نظم ونسق پر کیا اثرات مرتب کیے؟

5.8۔جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔۱:۔قطب شاہی سلاطین کی سرپرستی، درباری ماحول اور مقامی تہذیبی اثرات نے دکنی زبان کو فروغ دیا۔

فارسی اور مقامی بولیوں کے امتزاج سے دکنی ادب کی بنیاد مضبوط ہوئی۔

جواب۔۲:۔اقتدار کی منتقلی کے ساتھ سلطنت کے سیاسی حالات میں تبدیلیاں آتی رہیں۔

ان تبدیلیوں کا اثر انتظامی ڈھانچے اور درباری سیاست پر نمایاں طور پر پڑا۔

جواباتِ سرگرمی۔

۱۔ترکستان

۲۔بہمنی

۳۔مچھلی پٹنم

۴۔1550

5.9۔امدادی کتب:۔

۱۔نصیرالدین ہاشمی	دکن مین اردو
۲۔تاریخ ادب اردو	جمیل جالبی
۳۔پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔٦: عادل شاہی دور

ساخت:۔

6.0۔ اغراض ومقاصد

6.1۔ عادل شاہی دور کا تعارف

6.2۔ عادل شاہی دور

6.3۔ عادل شاہی سلاطین کی ثقافت سے دلچسپی

4.6۔ عمومی جائزہ

6.5۔ فرہنگ

6.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

6.7۔ مشقی سوالات

6.8۔ جواباتِ سرگرمی/مشقی سوالات کت جوابات

6.9۔ امدادی کتب

6.0۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ دکن کے عادل شاہی دور کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کو سمجھ سکیں اور اس دور کے سیاسی، سماجی اور ادبی حالات کو واضح انداز میں بیان کر سکیں۔ آپ یہ سمجھ سکیں گے کہ عادل شاہی حکمرانوں نے زبان وادب، خصوصاً دکنی

اردو، کوکس طرح فروغ دیا اور ایک مضبوط ادبی ماحول کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا۔ آپ کو یہ آگاہی حاصل ہوگی کہ دربار کی سرپرستی، فنونِ لطیفہ کی ترویج اور شعرا و ادبا کی حوصلہ افزائی نے ادب کی ترقی میں کس قدر اہم حصہ ڈالا اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ آپ اس قابل ہوں گے کہ اس دور میں رائج ادبی اصناف جیسے غزل، مثنوی، قصیدہ، گیت اور دیگر اصناف کی خصوصیات کو پہچان سکیں اور ان کے فروغ کے اسباب کو تفصیل سے بیان کر سکیں۔ آپ اس دور کے نمایاں شعرا، ادبا اور ان کی ادبی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے اور ان کے کلام کی اہمیت اور اثرات کو واضح انداز میں پیش کر سکیں گے۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ عادل شاہی دور میں زبان، ثقافت اور معاشرت کے باہمی تعلق نے کس طرح ادب کو نئی جہت دی اور عوامی سطح پر اسے مقبول بنایا۔ آخر میں آپ یہ سمجھنے کے قابل ہوں گے کہ عادل شاہی دور اردو زبان و ادب کی ترقی میں ایک اہم سنگِ میل ہے اور اس نے بعد کے ادبی ادوار کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی، جس کے اثرات آگے چل کر مزید واضح ہوتے ہیں۔

6.1۔ عادل شاہی دور کا تعارف:۔

1527ء میں جب بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تو دکن کی پانچ سلطنتوں میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت اور گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت نے دکنی زبان اور شاعری کی سرپرستی کا حق ادا کیا۔ اس دور میں نہ صرف اردو شاعری کو ترقی ہوئی، بلکہ خود عادل شاہی سلطنت کے دو بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ثانی اور علی عادل شاہ ثانی نے دکنی میں شاعری کی روایت کو فروغ دیا۔ علی عادل شاہ ثانی کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے دوست اور دربار کے نامور شاعر محمد نصرت نصرتی کو دربار کا سب سے اعلیٰ خطاب ملک الشعراء سے سرفراز فرمایا۔ عادل شاہی بادشاہوں نے نہ صرف شعر و ادب اور ثقافت کی سرپرستی کی بلکہ فنِ تعمیر پر بھی خصوصی توجہ دی۔ اس دور کی یادگار عمارتوں میں جامع مسجد بیجاپور، ابراہیم روضہ اور گول گنبد کو فنِ تعمیر کا شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔ بادشاہوں نے اقتدار سنبھالا لیکن عوام کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کر کے ان کی رہائش اور روزگار کے علاوہ صحت اور عوامی زندگی کو خوشحالی سے وابستہ کیا۔ عادل شاہی دور میں بیجاپور اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقوں میں آریاؤں کے علاوہ دراوڑیوں کی بستیاں بھی آباد تھیں۔ یہ دونوں قومیں ویدک دھرم کی قائل تھیں۔ آریاؤں کی زبانوں کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ مہاراشٹرا کے علاقہ میں آریائی زبانیں فروغ پا رہی تھیں لیکن بیجاپور کا علاقہ کرناٹک کے حدود میں شامل ہے۔ ان علاقوں میں بھی آریائی زبانوں کے علاوہ دراوڑی زبانوں میں کنڑی کو فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ عادل شاہی دور کے مشہور علاقوں میں جیسے بادامی، شاہ آباد، گلبرگہ، نلدرگ، میرج، مدھول، شاہ

آباد، ساگر، یادگیر، ادونی، کرنول، بلاری، رائچور، شموگہ، سرہ، کولہار، چناپٹن، سری رنگا پٹنم، میسور سیلم، دھرم پور وغیرہ کو بیجاپور صوبوں میں شامل کیا جاتا تھا۔ جہاں عادل شاہی بادشاہوں کی حکمرانی تھی۔ ان علاقوں میں سنسکرت کو مرکزی زبان کا درجہ حاصل تھا اور دراوڑی زبانوں میں کنڑی زبان تیز رفتاری سے سارے کرناٹک کے علاقوں میں پھیل رہی تھی۔ عوامی زبان کی حیثیت سے مسلمانوں کی عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں سنسکرت کے اثرات اور مقامی دراوڑی زبانوں کے اثرات کے نتیجے میں ملی جلی زبان یعنی دکنی کو ان علاقوں میں عروج حاصل ہوا۔ بیشتر دراوڑی افراد سنسکرت کی ادائیگی میں پس وپیش کا شکار تھے اور مقامی باشندے دراوڑی زبان یعنی کنڑی کو اظہار کا ذریعہ بنائے ہوں، جس کی وجہ سے عام آدمی کو آریاؤں اور دراوڑیوں کی زبان سے قربت حاصل کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ اس دشواری کو دور کرنے کا فطری نتیجہ اس طرح برآمد ہوا کہ آریاؤں، دراوڑیوں اور مسلمانوں کے آپسی میل جول کی وجہ سے ایک نئی زبان کو اس علاقہ میں ترقی کا موقع ملا اور وہ زبان ابتداء میں بول چال کی زبان اور پھر تحریری زبان کا درجہ حاصل کرگئی۔ سارے دکن میں اس زبان کی شناخت دکنی کی حیثیت سے اہمیت کی حامل ہے۔ بہمنی دور کی ثقیل دکنی کے مقابلے میں عادل شاہی دور کی دکنی میں یہ فرق محسوس کیا گیا ہے کہ اس دور سے وابستہ شاعروں اور نثر نگاروں نے عربی اور فارسی کے آسان الفاظ میں سنسکرت اور دراوڑی زبانوں کے عوامی لب ولہجہ کے الفاظ کو دکنی میں استعمال کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے عادل شاہی دور کی دکنی حد درجہ آسان اور عام فہم دکھائی دیتی ہے۔

6.2 عادل شاہی دور:۔

بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد 1527ء میں دکن کے مختلف علاقوں میں موجود بہمنی سپہ سالاروں اور علاقوں کے سربراہوں نے یہ محسوس کیا کہ بیدر کے علاقے سے حکمرانی کرنے والے بہمنی سلاطین کمزور ہوگئے ہیں تو دکن کے علاقے میں پانچ نئی سلطنتوں کا آغاز ہوا۔ ان پانچ اہم سلطنتوں میں عادل شاہی سلطنت (بیجاپور)، قطب شاہی سلطنت (گولکنڈہ)، نظام شاہی سلطنت (احمد نگر)، عماد شاہی سلطنت (برار) اور برید شاہی سلطنت (بیدر) کو اہم مقام حاصل ہے۔ بہمنوں کے زوال کے بعد ان پانچ خودمختار سلطنتوں میں دو سلطنتیں ایسی گذری ہیں جنھوں نے دکنی زبان اور ادب کی سرپرستی کا حق ادا کیا۔ بیجاپور میں سب سے پہلے یوسف عادل شاہ نے حکمرانی کی، جس کا آغاز 1490ء میں ہوا اور عادل شاہی سلطنت کے آخری بادشاہ سکندر عادل شاہ 1686ء میں عادل شاہی سلطنت کا خاتمہ عمل میں آیا، اس طرح 196 سال تک عادل شاہی

حکمرانوں نے بیجاپور کو دارالسلطنت بنا کر حکومت کی۔اس دور کے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ نے 1490ء تا 1518ء تک حکمرانی کی،جس کے دور میں مشہور بزرگ شاہ میراں جی کی شاعری کو عروج حاصل ہوا۔عادل شاہ سلطنت کے دوسرے بادشاہ اسماعیل عادل شاہ نے 1518ء سے 1534ء تک حکمرانی کی،جس کے بعد ابراہیم عادل شاہ نے تیسرے بادشاہ کی حیثیت سے 1534ء سے 1557ء تک حکمرانی کی،جبکہ چوتھے بادشاہ علی عادل شاہ نے 1557ء سے 1580ء تک حکمرانی کی،اس بادشاہ کے دور میں برہان الدین جانم جیسے مشہور دکنی شاعر اور نثر نگار نے اپنی خدمات انجام دیں۔عادل شاہی دور کے آخری چار بادشاہوں کے دور کو دکنی ادب کا سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔اس دور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی نے 1580ء تا 1626ء تک حکمرانی کی۔اس بادشاہ کی عوام میں مقبولیت کی وجہ سے اسے ''جگت گرو'' کے نام سے یاد کیا گیا،بادشاہ کو موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔اس نے ملک بھر کے موسیقاروں کو جمع کر کے '' شہر نورس'' آباد کیا،جہاں موسیقاروں کو شاہی خزانے سے وظائف اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ابراہیم عادل شاہ خود دکنی کا شاعر تھا،اس نے موسیقی کی تال وسر پر اپنی شعری کتاب ''نورس نامہ'' تحریر کیا۔ابراہیم عادل شاہ کے دور میں دکنی کے اہم شعراء میں آتشی،مقیمی،امین،نوری اور عبدل جیسے مشہور شعراء گذرے ہیں۔ابراہیم عادل شاہ ثانی کے انتقال کے بعد محمد عادل شاہ نے 1626ء سے 1656ء تک حکمرانی کی۔بادشاہ کے انتقال کے بعد ملکہ خدیجہ سلطان نے 1656 سے 1673ء تک عادل شاہی سلطنت کے اقتدار کو سنبھالا۔اس خاتون نے زائد از سترہ سال تک اقتدار کو محفوظ رکھا۔اس دوران دکنی کے شعراء صنعتی،رستمی،ملک خوشنود، دولت جیسے شاعر گذرے ہیں۔1673ء کے بعد علی عادل شاہ ثانی نے حکمرانی کا آغاز کیا جو 1686ء تک بادشاہ کے فرائض انجام دیتا رہا،اس دور کے دکنی شعراء میں نصرتی،ملک،امین،ہاشمی،مرزا اور ایاغی کو شہرت حاصل ہوئی۔عادل شاہی سلطنت کے آخری اور کمزور بادشاہ کی حیثیت سے سکندر عادل شاہ نے حکمرانی کی۔اس کے دور کے دکنی کے مشہور شعراء میں سیوا اور مومن اہمیت کے حامل ہیں۔غرض عادل شاہی دور کے ابتدائی چار حکمرانوں کے دور میں دو اہم مذہبی بزرگ شاہ میراں جی اور شاہ برہان الدین جانم کا کلام دستیاب ہے جس کے بعد آخری چار بادشاہوں کے دور

میں دکنی شعر و ادب کا سنہری دور شروع ہوا جس کے تحت شاعری میں مثنوی،قصیدہ،رباعی،غزل،سکھ سہیلا،جکری کے علاوہ دوسری شعری اصناف پر توجہ دی گئی،جبکہ نثر کی ترقی معکوس رہی۔غرض عادل شاہی دور کی ادبی خصوصیات بھی اہمیت کی حامل ہیں،کیونکہ اسی دور میں دکنی

شاعری کوفروغ حاصل ہوا، جبکہ دکنی شاعروں نے رزمیہ مثنوی کی بنیاد رکھی، چنانچہ ملا محمد نصرت نصرتی اور کمال خاں رستمی نے اس دور میں دو مشہور رزمیہ مثنویاں ''علی نامہ'' اور ''خاور نامہ'' لکھ کر اس دور کی شعری روایت میں رزمیہ یعنی Epic شاعری کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں عبدل جیسے شاعر نے مثنوی کی صنف میں قصیدہ لکھنے کی روایت کا آغاز کیا، اس کی مشہور مثنوی ''ابراہیم نامہ'' فنی اعتبار سے مثنوی ہے لیکن عبدل نے اپنے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مدح کے طریقے کو اس مثنوی میں شامل کر کے دکنی شاعری میں صنفی تجربہ یعنی دو شعری اصناف کو یکجا کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے، اس دور کی اہم خصوصیات میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی لکھی ہوئی مثنوی ''نورس نامہ'' کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ یہ مثنوی اردو کی واحد بیانیہ شاعری ہے جس میں قصہ بیان کرنے کے بجائے موسیقی کے تال و سر کی نمائندگی کی گئی ہے۔ اس طرح بہمنی دور کے بعد شاعری اور نثر نگاری کو فروغ دینے میں عادل شاہی بادشاہوں اور ان کے دور سے وابستہ شاعروں اور ادیبوں کی شعری اور نثری خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی دور سے نثر میں رسالہ نویسی، سوال و جواب کی نثر اور وضاحتی نثر کے ساتھ ساتھ بیانیہ نثر کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اس دور کے دونوں بزرگان دین یعنی شاہ میراں جی شمس العشاق اور برہان الدین جانم کی خدمات کو دکنی کے نثر نگار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

6.3۔ عادل شاہی سلاطین کی ثقافت سے دلچسپی:۔

عادل شاہی دور میں بیجاپور کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بیشتر بادشاہوں کو علم و ادب اور شاعری سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس کے علاوہ تقریباً ہر بادشاہ نے فن تعمیر موسیقی اور خوش خطی کے فن کو فروغ دینے میں اپنا رول ادا کیا۔ عادل شاہی دور میں مسلم سلطنت اور مقامی باشندوں میں آپسی تعلقات استوار ہوئے۔ حکومت کا بانی یوسف عادل شاہ شعر و سخن اور موسیقی سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اسماعیل عادل شاہ کو بھی شاعری کا شوق تھا۔ وہ خود وفائی تخلص کے ساتھ شعر گوئی کا حق ادا کرتا تھا۔ اس کے دور میں بیجاپور کی تاریخ تحریر کی گئی۔ وہ علم کی سرپرستی کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ ابراہیم عادل شاہ کی ساری زندگی جنگ و جدال میں گزری، لیکن اس نے دکنی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ شیعہ مذہب کے بجائے سنی مسلک اختیار کیا۔ اس کا دربار علماء و فضلاء سے بھرا ہوا تھا۔ علی عادل شاہ اول اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے علاوہ علی عادل شاہ ثانی کے دور میں وجیا نگر سے ثقافتی تعلقات قائم ہوئے۔ علی عادل شاہ جب کبھی سفر کرتا تو 400 صندوقوں میں کتابیں اس کے ساتھ سفر کرتی تھیں۔ ہر بادشاہ نے علم و ادب اور شاعری کی قدر دانی کی۔ ان کے دور میں اصحاب طریقت اور بزرگان دین کو شہرت حاصل ہوئی اور ان کے ارشادات اور ہدایات سے

اخلاقی اور روحانی برتری مسلم ہوگئی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے نئے شہر ''نورس پور'' کا قیام عمل میں لایا اور وہاں شاعروں اور موسیقی کے قدردانوں کی رہائش کا انتظام کیا علی عادل شاہ ثانی بذات خود شاعری کا قدرداں اور شاعر بھی تھا۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی اور علی عادل شاہ ثانی کے دور میں شاعری اور ادب کے علاوہ ثقافت کی ترقی پر بھی توجہ دی گئی۔ تاریخی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ عادل شاہی بادشاہوں نے ان کے علاقوں میں بولی جانے والی تین زبانوں یعنی تلگو، مرہٹی اور کنڑی کے بولنے والوں کو ایک اسٹیج پر جمع کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ فنون لطیفہ کی ترقی میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اپنے زمانے میں شعر و ادب ہی نہیں، بلکہ موسیقی کا استاد سمجھا جاتا تھا۔ اس نے نورس پور میں باقاعدہ موسیقاروں کو جمع کر کے ان کے تین درجے مقرر کر دیے تھے جو حضوری، درباری اور شہری کہلاتے تھے۔ اعلیٰ ادبی درجہ کے حامل شخص کو کنچن یا عطائی کا درجہ دیا جاتا تھا۔ عادل شاہی دور میں جب مغل بادشاہ گجرات اور احمد نگر پر حملہ آور ہوئے تو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے گجرات اور احمد نگر کے علماء اور علم و ادب کے ماہرین کو بیجاپور آنے کی دعوت دی۔ وہ راگ راگنیوں کا شیدائی تھا اور اس نے ملک کے حالات کو بدلتے ہوئے نظم و نسق کو اعلی مقام عطا کیا اور عمارتیں بنانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کی ترقی و ترویج میں حصہ لیا۔ اس کے زمانے میں آپسی اتحاد اور مختلف راگوں میں گیت گانے کا چلن عام ہو چکا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتاب ''نورس نامہ'' راگ راگنیوں سے وابستہ شعری مجموعہ ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کو کنڑا راگ پسند تھا۔ اس کی کتاب میں 59 گیت شامل ہیں، جو مختلف راگ راگنیوں میں گائے جاتے تھے۔ اس نے نورس پور کی بنیاد 1599ء میں رکھی۔ فارسی اور دکنی میں مشق سخن کیا کرتا تھا۔ اس کے درباری مصور فرخ حسین کی بنائی ہوئی تصاویر یادگار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے دور میں ایران، عراق اور آذربائجان سے مشہور خطاط اور خوش نویس ہی نہیں بلکہ مصور اور تعمیری کام انجام دینے والے بلائے گئے تھے۔ مشہور بزرگ حضرت خلیل اللہ بت شکن اپنے عہد کے مشہور خطاط اور خوش نویس تھے۔ اس طرح شعر و ادب کے علاوہ علمی کتابوں کی تصنیف اور تاریخی کتابوں کی ترتیب اور مصوری، خطاطی، خوش نویسی اور عمارت سازی کی بنیاد رکھ کر ابراہیم عادل شاہ نے اپنے دور میں اور علی عادل شاہ ثانی نے شعر و ادب کے علاوہ ثقافت کی بھرپور نمائندگی کی۔ محلوں میں نہروں کے ذریعہ پانی پہنچانے کا طریقہ بھی عادل شاہی بادشاہوں کے دور میں رائج ہو چکا تھا۔ حکمرانی کرنے کے علاوہ، نئے علاقوں کی فتح اور جنگ و جدال سے پرہیز علاوہ نظم و نسق کو سنبھالتے ہوئے امور مملکت میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ عادل شاہی بادشاہوں نے مصوری، سنگ تراشی، موسیقی، عمارت سازی، خطاطی، خوش نویسی اور طغرہ نویسی کے ذریعہ اپنے دور کو ثقافتی سرگرمیوں سے وابستہ کر دیا۔ عادل شاہی دور میں کپڑے کی صنعت، کاغذ کی صنعت، پھل اور پھول کی تجارت کے علاوہ اجناس کی تجارت کے لئے عوام کو

سہولت پہنچائی گئی تھی۔خود بادشاہوں نے بڑے بڑے باغ قائم کئے تھےاورعوام کی تفریح کے لئے سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں،جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ میل جول اور ثقافتی تعلقات کو بحال کرنے میں عادل شاہی سلطنت کے بادشاہوں کی خدمات کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے بعادل شاہی دور کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 6.8 سے رجوع کریں

خالی جگہ پر کیجئے:۔

۱۔ بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد میں دکن کے مختلف علاقوں میں موجود بہمنی سپہ سالاروں اور علاقوں کے سربراہوں نے یہ محسوس کیا کہ بیدر کے علاقے سے حکمرانی کرنے والے ۲۔_______ کمزور ہو گئے ہیں تو دکن کے علاقے میں پانچ نئی سلطنتوں کا آغاز ہوا۔ان پانچ اہم سلطنتوں میں عادل شاہی سلطنت بیجاپور ۳۔_______ نظام شاہی سلطنت احمد نگر،عماد شاہی سلطنت براراور برید شاہی سلطنت بیدر کو اہم مقام حاصل ہے بیجاپور میں سب سے پہلے ۴۔_________ نے حکمرانی کی،جس کا آغاز 1490ء میں ہوا اور عادل شاہی سلطنت کے آخری بادشاہ سکندر عادل شاہ ہوئے ۵۔______ میں عادل شاہی سلطنت کا خاتمہ عمل میں آیا،اس طرح 196 سال تک عادل شاہی حکمرانوں نے بیجاپور کو دارالسلطنت بنا کر حکومت کی۔اس دور کے پہلے ۶۔_______ نے 1490ء تا 1518ء تک حکمرانی کی۔ بادشاہ علی عادل شاہ نے 1557ء سے 1580ء تک حکمرانی کی، اس بادشاہ کے دور میں ۷۔_________ جیسے مشہور دکنی شاعر اور نثر نگار نے اپنی خدمات انجام دیں۔

6.4۔عمومی جائزہ:۔

بہمنی سلطنت کے کمزور پڑ جانے کے بعد یوسف عادل شاہ نے 1527ء میں بیجاپور کو پائے تخت قرار دے کر اپنی نئی حکومت ”عادل

شاہی حکومت'' کی بنیاد رکھی۔ عادل شاہی سلطنت کے جملہ 9 بادشاہ حکمران رہے جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے۔ان بادشاہوں نے سرکاری زبان فارسی کو رواج دیا لیکن بعد میں عوامی زبان یعنی دکنی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوا۔ یوسف عادل شاہ اسماعیل عادل شاہ، ملو عادل شاہ، ابراہیم عادل شاہ اول، علی عادل شاہ اول، ابراہیم عادل شاہ ثانی، محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ دوم کے بعد سکندر عادل شاہ پر عادل شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ان بادشاہوں نے عالموں، فاضلوں اور ماہرین کی سرپرستی کی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے نیا شہر ''نورس نگر'' تعمیر کر کے موسیقی کی سرپرستی کی اور موسیقی پر سب سے مشہور کتاب ''نورس نامہ'' تحریر کی، جو دکنی زبان پر فن موسیقی کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ عادل شاہی بادشاہوں کے دربار میں علم وفضل کے ماہرین موجود ہوتے تھے۔ بادشاہوں کے دربار سے موسیقی کے ماہر فن، تعمیر کے ماہر، خوش خطی اور طغرہ نویسی کے ماہر اور ثقافت سے دلچسپی رکھنے والے اہم افراد وابستہ تھے۔ سڑکوں کی تعمیر، شعر گوئی، محلات کی تعمیر محل میں نہروں کے ذریعہ پانی پہنچانا اور باغات لگانے کے معاملے میں عادل شاہی بادشاہ اپنا کوئی جواب نہیں رکھتے تھے۔ان کے دور میں انتظام سلطنت اور حکمرانی کے تمام اصول جاری تھے علمی، ادبی، مذہبی، تاریخی اور ثقافتی سرگرمیاں جاری تھی۔ کتابیں لکھی جارہی تھیں اور شعر وادب کے توسط سے فارسی کی تمام شعری اصناف جیسے مثنوی، قصیدہ، رباعی، غزل کے علاوہ حمد ونعت ومنقبت لکھنے کی روایت کو دکنی میں اہمیت دی گئی تھی۔ اس طرح عادل شاہی دور کے بادشاہوں نے دکنی زبان کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس دور کے شاعروں کی طویل فہرست موجود ہے۔ خود ابراہیم عادل شاہ ثانی نے منظوم موسیقی کی کتاب ''نورس نامہ'' دکنی میں لکھی اور علی عادل شاہ ثانی نے مرثیے، قصیدے، غزل اور مثنویاں لکھ کر دکنی شعر وادب کو فارسی کی اصناف سے وابستہ کر دیا۔ ہر بادشاہ کے دربار سے فن کے ماہرین کو اعزازات دیئے جاتے تھے علی عادل شاہ شاہی نے اپنے دور کے اہم شاعر نصرتی کو اس کی مثنویوں علی نامہ اور گلشن عشق پر سرکاری اعزاز ملک الشعراء سے سرفراز کیا۔ عادل شاہی دور میں دکنی شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔اس دور کے دکنی شاعروں میں برہان الدین جانم، عبدل، آتشی مقیمی، امین، شوقی صنعتی، ملک خوشنود، رستمی، دولت، نصرتی، شاہ ملک، امین الدین علی اعلیٰ، ظہور، ہاشمی، ایاغی، علی، کریم، مرتضیٰ، حسینی، مختار، قدرتی، مومن، قادر، شاہ من عرف اور شاہ معظم کی شاعری کو اہمیت حاصل ہے۔ ان شاعروں نے دکنی زبان میں طویل مثنویاں، قصیدے، مرثیے، غزلیں اور رباعیات کے علاوہ گیت ہی نہیں بلکہ خواتین کی زبان میں شاعری کر کے ریختی کی شاعری کو دکنی زبان میں مقبول بنایا۔ اس طرح عادل شاہی دور کو دکنی شاعری کی وجہ سے ہمہ گیر اہمیت کا حاصل ہے اور اس دور میں بیشمار دکنی شاعروں کے کلام کے منظر

عام پر آنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عادل شاہی سلاطین نے بیجاپور کو اپنا پائے تخت بنا کر سارے کرناٹک کے علاقے میں دکنی شعروادب کی روایت کو فروغ دینے میں اہم کردار نبھایا، اسی لئے عادل شاہی دور کے تعارف کے ساتھ دکنی زبان اور ادب کی تاریخ کی روایت بھی فروغ پاتی ہے۔

6.5۔فرہنگ:۔

اطراف واکناف	ہر طرف، ہر جانب
حدود	انتہا،آخر
استوار	مستحکم،مضبوط
سرفراز	سربلند،ممتاز،معزز
خوش خطی	خوبصورت اور دلکش لکھائی
ثقیل	بھاری، وزنی، بوجھل
قائل	تسلیم کرنے والا، کہنے والا، اقرار کرنے والا
ثقافت	کسی قوم یا گروہ انسانی کی تہذیب کے اعلیٰ مظاہر جو اس کے مذہب، نظام،علم وادب اور فنون مین نظر آتے ہیں۔

6.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ عادل شاہی دور کی سیاسی، تہذیبی اور لسانی سرگرمیوں پر مفصل نوٹ لکھئے؟

۲۔ عادل شاہی دور کی ادبی روایت کا جائزہ لیجیے؟

۳۔ عادل شاہی دور کی نثری خدمات کا ذکر کیجیے؟

6.7۔ مشقی سوالات:۔

سوال ا:۔ عادل شاہی دور میں مذہبی رواداری اور سیاسی حکمتِ عملی نے سلطنت کے استحکام میں کیا کردار ادا کیا؟

سوال ۲:۔ عادل شاہی دور میں دکنی زبان اور ادب کے فروغ کے اہم اسباب کیا تھے؟

6.8۔ جوابات سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات

جواب۔ا:۔ عادل شاہی سلاطین نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو یکساں اہمیت دی جس سے داخلی انتشار کم ہوا۔

جواب۔۲:۔ عادل شاہی حکمرانوں کی سرپرستی اور درباری سطح پر دکنی زبان کے استعمال نے ادب کو فروغ دیا۔ مقامی زبانوں کے اثر سے دکنی ادب

نے ایک مستقل اور مضبوط شناخت حاصل کی۔

۱۔1527ء

۲۔بہمنی سلاطین

۳۔قطب شاہی سلطنت گولکنڈہ

۴۔یوسف عادل شاہ

۵۔1686ء

۶۔بادشاہ یوسف عادل شاہ

۷۔برہان الدین جانم

6.9۔امدادی کتب:۔

۱۔	نصیر الدین ہاشمی	دکن مین اردو
۲۔	تاریخ ادب اردو	جمیل جالبی (جلد اول)
۳۔	پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔۷: قصیدہ (دکن)

ساخت:۔

7.0۔ اغراض ومقاصد

7.1۔ تعارف

7.2۔ عادل شاہی دور میں قصیدہ نگاری

7.3۔ قطب شاہی دور میں قصیدہ نگاری

7.4۔ عمومی جائزہ

7.5۔ فرہنگ

7.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

7.7 ۔ مشقی سوالات

7.8۔ جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

7.9۔ امدادی کتب

7.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ قصیدہ کی صنف کی بنیادی خصوصیات، اس کی ہیئت اور اسلوب کو سمجھ سکیں، دکن میں اردو ادب کی ابتدائی ترقی اور اس کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر کو جان سکیں، اشعار کے مفہوم اور مشکل الفاظ و تراکیب کی تشریح کر سکیں، دکنی شعرا کی ادبی خدمات کا اندازہ لگا سکیں، اور شعر کے فکری و معنوی پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے اس کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کر سکیں، نیز آپ میں زبان کی درست ادائیگی، فصاحت و بلاغت اور ادبی ذوق کو بہتر انداز میں برتنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی

7.1 ۔دکن میں قصیدہ گوئی تعارف:۔

دکن میں متعدد شعری اصناف میں طبع آزمائی کی گئی۔ بہمنی اس سلطنت کے تقریباً 18 بادشاہوں نے پہلے گلبرگہ اور پھر بیدر کو پائے تخت بنا کر حکمرانی کی۔ اس دور کو اس لئے بھی اہمیت حاصل ہے کہ دکن میں شہرت رکھنے والے حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز نے اسی سلطنت کے بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کے دور میں گلبرگہ کا رخ کیا اور اسی سلطنت کے وزیر اعظم خواجہ محمود گاواں نے بیدر کے مقام پر عظیم یونیورسٹی ''مدرسہ محمود گاواں'' کی بنیاد رکھی۔ بہمنی دور میں دکنی نثر کے ساتھ شاعری کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اس مضمون میں بہمنی دور کی قصیدہ نگاری پر بحث کی گئی ہے۔ اسی لئے بہمنی دور میں لکھے جانے والے سنسکرت الفاظ سے وابستہ دکنی قصائد اور قصیدہ گو شعراء کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ بہمنی دور کے قصیدوں میں بعد کے دور کی قصیدوں کی طرح اجزائے ترکیبی کا چلن عام نہیں رہا۔ بہمنی دور کے قصیدہ گو شعراء نے قصیدہ لکھنے کے لئے بادشاہ کی مدح کے علاوہ پیر طریقت کی مدح کے طریقے کو بھی رواج دیا۔ بہمنی دور کے قصیدوں میں پیچیدہ لفظیات اور سنسکرت الفاظ کو ہی نہیں، بلکہ عربی حروف کو بھی دکنی املاء اور ہجا کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اسی لئے اس دور کے قصائد کی قرأت اور سماعت سخت دشوار ہے۔ مدح نگاری کے دوران بہمنی شاعروں نے دکنی انداز اختیار کرتے ہوئے مدح میں مبالغہ کو جگہ نہیں دی۔ اسی لئے اس دور کے قصیدوں میں حسن کاری کا انداز نمایاں نہیں ہوتا۔ بہمنی دور کے قصیدوں میں بادشاہ وقت یا پھر قصیدہ لکھنے والے شاعر کے پیر طریقت کی مدح کا انداز حقیقت پسندانہ ہوتا ہے اور اس میں مبالغہ کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ اس دور تک قصیدے کے اجزائے ترکیبی کا چلن عام نہیں تھا۔ اسی لئے قصیدہ گوئی کا انداز متاثر کن دکھائی نہیں دیتا۔ بہمنی دور کے قصیدہ گو شعراء نے مثنوی کے طرز میں ہی نہیں بلکہ غزل کے طرز میں بھی قصیدے لکھے۔ اشرف بیابانی کی مثنوی ''نوسرہار'' اور فخر دین نظامی بیدری کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں بھی بادشاہ وقت کی مدح کا انداز قصیدہ گوئی کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بادشاہ وقت کی مدح کرنے کے لئے مشتاق اور لطفی جیسے شعراء نے قصیدہ کی ہیئت میں دکنی شاعری کا انداز اختیار کر کے قصیدے لکھے۔ پیر طریقت کی مدحت کو اختیار کرتے

ہوئے فیروز بیدری نے اپنی مثنوی ''پرت نامہ'' کے توسط سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور مخدوم جی کی مدح کا طریقہ اختیار کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہمنی دور کے شاعروں نے برسہابرس پہلے اس دنیا سے کوچ کر جانے والے پیر طریقت کے لئے منقبت نہیں لکھی، بلکہ ان کی تعلیمات کی موجودگی کی بنیاد پر مرحوم بزرگان دین کی مدح کے لئے بھی قصیدہ گوئی کی روایت کو فروغ دیا۔اس طرح بہمنی عہد میں دکنی شاعری کو فروغ دینے والے فنکاروں کی تعداد کم تھی۔اس کے باوجود بھی چار بڑے شعراء میں اشرف بیابانی، فخر دین نظامی، مشتاق اور لطفی کے علاوہ بہمنی دور کے آخری شاعر جس نے قطب شاہی دور میں نام کمایا، جیسے قطب دین فیروز بیدری کو بھی بہمنی دور کے قصیدہ گو شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ مشتاق اور لطفی کے لکھے ہوئے دکنی قصائد کو معیار اور وقار کا درجہ حاصل ہے۔بہمنی دور میں چونکہ دکنی شاعری کی ابتداء ہو رہی تھی، اسی لئے اس دور کی قصیدہ گوئی کو اردو کی ابتدائی قصیدہ گوئی کی صورت میں دیکھا جانا چاہئے۔یہ قصیدے بہمنی دور کے آغاز یعنی 1347ء سے لے کر 1527ء کے دوران لکھے گئے، کچھ کم دوسوسال کے عرصے پر محیط بہمنی دور کی دکنی شاعری میں پانچ قصیدہ گو شعراء کی جانب سے قصیدہ کی شعری ہیئت کو استعمال کرنا یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ دکنی کی شاہی سرپرستی اور عوام میں مقبولیت کی وجہ سے ہی اس دور کے شاعروں نے قصیدہ گوئی کی صنف کو فروغ دیا، البتہ بہمنی دور کے قصیدوں میں شمالی ہند میں لکھے جانے والے بعد کے قصیدوں کی طرح زبان و بیان کا رچاؤ اور اظہار کے بلند آہنگ کا تصور نہیں ملتا، البتہ مشتاق اور لطفی کے قصیدوں میں کسی حد تک آہنگ اور اظہار کی جدت کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔

7.2۔عادل شاہی دور میں قصیدہ نگاری:۔

شاعری کا ایسا طریقہ جس میں صاحب شخصیت کا مدحیہ انداز اختیار کیا جائے، اسے قصیدہ کہتے ہیں۔قصیدہ لکھنے کے لئے شخص کا موجود ہونا ضروری ہے، جبکہ دکنی قصیدہ کی صنف فارسی کے زیر اثر اردو میں منتقل ہوئی۔بہمنی دور سے ہی اردو میں قصیدہ گوئی کا انداز نمایاں رہا، جس کے بعد بیجاپور کو پائے تخت بنا کر 9 بادشاہوں نے دکنی شعر و شاعری کی سرپرستی کی تو دوسری شعری اصناف کے ساتھ ساتھ قصیدہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ 1518ء سے لے کر 1686ء تک بیجاپور کے علاقے میں لکھے جانے والے قصیدوں کو ''عادل شاہی قصیدے'' کا درجہ دیا جاتا ہے۔عادل شاہی دور میں دکنی شعری انداز کو فروغ دیتے ہوئے جن شاعروں نے قصیدے لکھے ان میں قصیدہ کا ایسا انداز بھی دکھائی دیتا ہے، جس میں شاعروں نے پیر طریقت، خلیفہ وقت اور مرحوم بزرگانِ دین کی مدح کو مثنوی کے دوران جاری رکھا، اس قسم کے مثنوی کے درمیان لکھے جانے والا قصیدہ چونکہ

مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے ہیں،اس لئے قصیدے کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ دوسرے طرز کے عادل شاہی قصیدوں میں بادشاہ،امیر،امراء، وزراءاور عمدہ کارنامے انجام دینے والے اشخاص کی تعریف میں قصیدے لکھے گئے۔ عادل شاہی دور کے قصیدے کا تیسرا انداز عظیم مذہبی ہستیوں کو برسہابرس کے بعد یاد کر کے ان کی مدح میں شعری خدمات انجام دینا بھی قصیدے کی تیسری قسم میں شامل ہے نعتیہ قصیدے اور منقبتی قصیدے کے ذریعہ حضرت محمدؐ اور حضرت علی کے علاوہ اہلِ بیت اطہار کی تعریف میں قصیدے لکھنے کا رواج بھی عادل شاہی دور کا وصف رہا، جبکہ عادل شاہی دور کے چوتھے انداز کے قصیدے میں عبدل کی مثنوی ''ابراہیم نامہ'' کو پیش کیا جاسکتا ہے، جس میں قصہ کے روپ میں شاہ وقت کی تعریف کا طریقہ اپنایا گیا۔ عادل شاہی دور میں ان چار انداز کے قصیدوں میں غزل کی ہیئت کارفرما ہےاور شاعروں نے مردف اور غیر مردف انداز سے قصیدے لکھے۔ قصیدے کے دوران عادل شاہی شاعروں نے اجزائے ترکیبی کو پیش نظر رکھا۔ چنانچہ مطلع، تشبیب، گریز اور دعا کے طریقے کو اولیت دی گئی۔ عادل شاہی دور کے شاعروں نے سب سے پہلے اپنے رہبر روحانی کے فیوضات کو بیان کرتے ہوئے قصیدہ گوئی کو فروغ دیا، چنانچہ لطفی جیسا عادل شاہی دور کا شاعر اپنے پیرومرشد حضرت شاہ محمد کی مدح میں قصیدہ لکھ کر شعری حسن کی نمائندگی کرتا ہے۔ ملک خوشنود کو عادل شاہی دور کے مثنوی نگار شاعر کا درجہ حاصل ہے، جس نے اپنی مثنوی ''بازارحسن'' میں اس دور کے مایہ ناز رہنما میر محمد مومن کی مدح لکھی ہے۔ علی عادل شاہ ثانی کو عادل شاہی دور کے نامور قصیدہ گو شاعر کا درجہ حاصل ہےاور اس نے فنی طور پر بھرپور قصیدے لکھے۔ مثنوی کے انداز میں شاہ امین الدین کی مدح میں قصیدہ لکھا گیا۔ اس دور کے غیر معروف شاعر کلیم نے شاہ میراں جی کی مدح میں نظم لکھی عادل شاہی دور کے شاعر شاہ معظم نے مثنوی ''گلزار جنت'' لکھی تو اس کے دوران حضرت شیخ فرید کی مدح کا طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح عادل شاہی دور میں مثنوی کے دوران قصیدہ لکھنے کا چلن بھی دکھائی دیتا ہے۔ امین، ہاشمی، ظہور، عبدل اور ایسے ہی شعراء نے مثنوی کے ذریعہ پیر طریقت اور بادشاہ وقت کی مدح کا طریقہ اختیار کیا۔ عادل شاہی دور میں قصیدے کو بھرپور صنف کی حیثیت سے اختیار کرنے والے شاعروں میں علی عادل شاہ شاہی، ہاشمی بیجاپوری، محمد نصرت نصرتی، شغلی ورشاہ معظم کے قصیدوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔ اس دور کے پہلے مکمل قصیدہ گو شاعر کی حیثیت سے عاشق دکنی بیجاپوری کے قصیدے کو پیش کیا جاسکتا ہے، جس نے قصیدے کی صنف کو مکمل خصوصیات کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے قصیدہ گوئی کے فنی محاسن پر توجہ دی۔ خود علی عادل شاہ شاہی کے قصیدے زبان و بیان کی ندرت اور استعارات کی دلکشی کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہیں۔ شاہی کے قصیدوں سے زیادہ نصرتی کے قصیدوں میں فن کا رچاؤ اور اجزائے ترکیبی کا انداز نمایاں ہے، اس نے مبالغہ آرائی، تصنع اور تکلف کے بجائے بے ساختگی، جذباتی

وابستگی اورزبان و بیان کی خصوصیات کو پوری طرح کام میں لایا ہے۔علی عادل شاہ شاہی نے اپنے دور میں نعتیہ قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے عمدہ خصائل پر 500 اشعار تحریر کیئے،اسی طرح اس دور کے قصیدہ گوشاعروں نے چار لفظوں کی ردیف کے ذریعہ قصیدے کے فنی اجزاء کو پیش کر کے شاہ برہان اوران کے فضائل کو قصیدے کے انداز سے پیش کیا ہے۔عادل شاہی دور کے مشہور ریختی گوشاعر ہاشمی بیجاپوری نے دو قصیدے لکھے،اس کے قصیدوں میں ریختی کا انداز نہیں بلکہ ممدوح کی بہادری اور شجاعت کی تفصیلات نمایاں ہیں۔ہاشمی نے اورنگ زیب عالمگیر کے سپہ سالار ذوالفقار خاں کی جنجی کے قلعہ کی فتح پر کامیابی کا درجہ دے کر 146 اشعار پر قصیدہ لکھا۔اس کا دوسرا قصیدہ 61 اشعار پر مشتمل ہے۔نصرتی جیسے شاعر نے دکنی کی سرزمین میں رزمیہ مثنوی کی بنیاد رکھی،اس نے پہلا قصیدہ پنہالہ گڑھ کی فتح پر لکھا،اس کا دوسرا قصیدہ قلعہ پنہالہ کی کامیابی پر دلالت کرتا ہے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے نصرتی کے بارہ قصیدوں کا ذکر کیا ہے،اس کا ہر قصیدہ فن اور زبان کے اظہار کا نمائندہ ہے۔تمام تر عادل شاہی دور میں مدحیہ قصیدے لکھے گئے،لیکن ہجو یہ قصیدہ کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔نصرتی کے بعد شغلی جیسے شاعر نے قصیدے کی نمائندگی کی اور معظم کے قصیدے بھی عادل شاہی دور کی یادگار ہیں۔غرض عادل شاہی دور کے دکنی قصائد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعروں نے شعریت،خیال کی برجستگی اور اظہار کی خصوصیت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا،اس طرح عادل شاہی دور میں لکھے جانے والے دکنی قصیدہ نگاروں میں نصرتی کو اعلیٰ مقام حاصل ہے،جس کے بعد شاہی اور معظم جیسے شاعروں نے عادل شاہی دور میں قصیدے کی آبیاری کر کے اس صنف کو پورے اہتمام کے ساتھ دکنی شاعری کا حصہ بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

7.3۔قطب شاہی دور میں قصیدہ نگاری:۔

قطب شاہی دور میں مختلف شعری اصناف کی آبیاری ہوتی رہی،اسی طرح قصیدے کی صنف کو بھی اعتبار کا درجہ حاصل ہوا۔دکن کے تمام تر علاقہ میں فارسی شعری اصناف کو اظہار کا ذریعہ بنایا،چنانچہ قصیدہ بھی فارسی شاعری کے زیر اثر دکنی زبان میں شہرت کا وسیلہ بنا۔صنف کے اعتبار سے قصیدے کے اجزائے ترکیبی متعین ہیں اور دکنی شاعروں نے اس پر خصوصی توجہ نہیں دی۔قطب شاہی دور کے چار بڑے قصیدہ گوشعراء میں سلطان محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ جیسے بادشاہوں کے علاوہ غواصی اور افضل کو اس دور کے قصیدہ گوشعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔قطب شاہی دکنی شاعروں نے اپنے پیشرو شاعروں کی طرح مثنوی کے دوران پیر طریقت اور شاہ وقت کی مدح کے طریقے کو اختیار کیا۔مثنوی کے

دوران لکھی جانے والی شاعری میں عقیدت کے پہلو کی نمائندگی ہوتی ہے اور مثنوی میں مدح پیر اور مدح شاہ کو ذیلی حیثیت حاصل ہے۔اس لئے مثنوی کے دوران اختیار کی جانے والی مدحت کے طریقہ کو قصیدہ سے مختلف طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے قصیدہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔قطب شاہی دور میں باضابطہ اور آزادانداز سے قصیدے لکھنے والے چار اہم شعراء نے بادشاہ وقت کی مدح کے علاوہ موضوعات کی مدحت کی طرف بھی توجہ دی۔سلطان محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ نے شخصیت کی مدح کے دوران حضرت علیؓ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔اس کے علاوہ موضوعاتی مدحت کے لئے عید غدیر، عید نوروز اور عید قربان ہی نہیں بلکہ بسنت کی تعریف کو بھی اپنے قصائد میں شامل کیا۔غواصی بلاشبہ قطب شاہی دور کا وہ واحد شاعر ہے، جس نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح کے دوران قصیدے کے اجزائے ترکیبی پر توجہ دیتے ہوئے تشبیب، گریز کے علاوہ دعا اور حسن مدعا کو بھی اپنے قصیدوں میں شامل کیا۔قلی قطب شاہ کے قصائد میں عیش و عشرت کی فراوانی اور عقیدت موجود ہے۔یہی انداز عبداللہ قطب شاہ کے قصائد میں بھی دکھائی دیتا ہے۔میلاد النبی اور حضرت علی کی مدح میں لکھے ہوئے ان دونوں شاعروں کے قصیدوں میں عقیدت کا پہلو موجود ہے، البتہ قلی قطب شاہ اپنے قصیدوں میں بہاریہ تشبیب اور خوشیوں اور مسرتوں کو پیش کرنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔قطب شاہی دور کے قصیدوں میں فنی پختگی دکھائی نہیں دیتی۔قلی قطب شاہ اپنے قصیدوں میں بہاریہ تشبیب کا انداز اختیار کرتا ہے، جس کے ساتھ عقیدت بھی جلوہ گر ہے، البتہ غواصی کے قصائد میں فن کی خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ اس نے حسن مدعا کے ساتھ قصائد میں دعا کے عمل کو شامل رکھا ہے۔قطب شاہی دور کے قصائد کی دکنی زبان 400 سال قدیم ہونے کی وجہ سے دکنی کے متروک الفاظ اور سنسکرت کے عدم استعمال الفاظ کی وجہ سے قصائد میں نغمگی اور ادائیگی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔بیشتر الفاظ کی معنویت سے عدم واقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ترسیل کا المیہ پیدا ہوتا ہے غرض قطب شاہی دور کے دو بادشاہوں سلطان قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کے علاوہ ملا وجہی اور محمد افضل گولکنڈوی کی شاعری میں قصیدے کا انداز جلوہ گر ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ عادل شاہی دور میں محمد نصرت نصرتی نے اپنے قصائد کی بنیاد پر جس مقام کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی، اس قسم کا مقام قطب شاہی دور کے مشہور قصیدہ گو شاعر غواصی کو حاصل نہیں ہوتا۔غرض قطب شاہی دور کے قصائد کا مطالعہ اس دور کے تاریخی پس منظر میں اس لئے ضروری ہے کہ اس سلطنت سے وابستہ شاعروں نے قصیدے کے فن کو جس انداز سے استعمال کیا اس کی انفرادیت کو نمایاں کیا جائے اور قطب شاہی دور کے قصیدہ کا فنی احاطہ کیا جا سکے۔

7.4 ۔عمومی جائزہ:۔

دکنی قصیدہ نگاری کا ارتقائی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ صنف دکن میں اچانک مکمل صورت میں ظاہر نہیں ہوئی بلکہ بتدریج ترقی کے مراحل سے گزری۔ بہمنی دور میں قصیدہ نگاری نے ابتدائی اور بنیاد فراہم کرنے والا کردار ادا کیا، جہاں حقیقت پسندانہ مدح، سادہ زبان اور فنی سادگی نمایاں تھی۔ عادل شاہی دور میں یہی صنف فنی اعتبار سے اپنے عروج پر پہنچی اور قصیدہ ایک باقاعدہ، مربوط اور باوقار شعری صنف بن گیا۔ اس دور میں زبان، ہیئت، اجزائے ترکیبی اور موضوعاتی وسعت نے قصیدہ نگاری کو دکنی ادب کی نمایاں صنف بنا دیا۔ قطب شاہی دور میں اگرچہ قصیدہ نگاری کی روایت برقرار رہی، مگر فنی اعتبار سے وہ بلندی حاصل نہ ہو سکی جو عادل شاہی دور کا امتیاز تھی۔ اس کے باوجود اس دور کی اہمیت اس لیے مسلم ہے کہ اس میں قصیدہ درباری مدح سے آگے بڑھ کر مذہبی اور ثقافتی موضوعات کا حامل بن گیا۔

یوں مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دکنی قصیدہ نگاری اردو قصیدہ نگاری کی ابتدائی، ارتقائی اور تجرباتی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اگرچہ فنی کمال بعد کے ادوار میں شمالی ہند میں زیادہ نمایاں ہوا، مگر دکن میں قصیدہ نگاری کے بغیر اردو قصیدے کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔ دکنی قصیدہ اپنے سادہ، حقیقت پسندانہ اور تدریجی ارتقا کے باعث اردو ادب میں ایک مستقل اور اہم مقام رکھتا ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ب قصیدہ (دکن) کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 7.8 سے رجوع کریں۔

ا۔ دکنی قصیدہ نگاری کا ارتقائی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ صنف ۔۔۔۔۔ میں اچانک مکمل صورت میں ظاہر نہیں ہوئی بلکہ بتدریج ترقی کے مراحل سے گزری

۲۔ ۔۔۔۔۔ میں قصیدہ نگاری نے ابتدائی اور بنیاد فراہم کرنے والا کردار ادا کیا، جہاں حقیقت پسندانہ مدح، سادہ زبان اور فنی سادگی نمایاں تھی۔

۳۔۔۔۔۔۔۔۔دکنی شعروادب کی مختلف شعری اصناف کے ذریعہ ادب کی نمائندگی کا موقف حاصل رہا ہے۔

۴۔اس سلطنت کے تقریباً۔۔۔۔۔بادشاہوں نے پہلے گلبرگہ اور پھر بیدر کو پائے تخت بنا کر حکمرانی کی۔

7.5۔فرہنگ:۔

برجستگی	موزونیت،حاضر جوابی
شعریت	شعر کی لطافت،دلآویزی،خوبی
تصنع	بناوٹ،تکلف،دکھاوا
مبالغہ	کسی بات کو حقیقت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
ہئیت	کسی شے کی ظاہری حالت،صورت بناوت
پیچیدہ	مشکل،الجھا ہوا

7.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ ابتدائی دکنی قصائد سے متعلق اپنی معلومات تحریر کیجیے؟

۲۔ دکن میں اردو قصیدہ نگاری کی روایت اور اس کے ارتقا سے بحث کریں؟

۳۔ دکن کی اردو قصیدہ نگاری کی خصوصیات و امتیازات کو بیان کریں؟

7.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:عادل شاہی دور میں مذہبی رواداری اور سیاسی حکمتِ عملی نے سلطنت کے استحکام میں کیا کردار ادا کیا؟

سوال ۔۲:۔ عادل شاہی دور میں دکنی زبان اور ادب کے فروغ کے اہم اسباب کیا تھے؟

7.8۔ جواباتِ سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب ۔ا:۔ عادل شاہی سلاطین نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو یکساں اہمیت دی جس سے داخلی انتشار کم ہوا۔اس رواداری نے سلطنت کو سیاسی استحکام اور عوامی حمایت فراہم کی۔

جواب ۔۲:۔ عادل شاہی حکمرانوں کی سرپرستی اور درباری سطح پر دکنی زبان کے استعمال نے ادب کو فروغ دیا۔

مقامی زبانوں کے اثر سے دکنی ادب نے ایک مستقل اور مضبوط شناخت حاصل کی۔

جواباتِ سرگرمی

۱۔دکن

۲۔بہمنی دور

۳۔ بہمنی دورکو

۴۔ 18

7.9۔امدادی کتب:۔

۱۔ پروفیسرمحمود الٰہی	اردوقصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ
۲۔ڈاکٹرام ہانی اشرف	اردوقصیدہ نگاری (مرتبہ)
۳۔ڈاکٹرایم۔کمالالدین	قصیدہ کافن اوراردوقصیدہ نگاری
۴۔داکٹرابومحمدسحر	اردومیں قصیدہ نگاری
۵۔پروفیسرمجیدبیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔۸: مرثیہ (دکن)

ساخت:۔

8.0۔ اغراض ومقاصد
8.1۔ تعارف
8.2۔ دکن میں مرثیہ کی روایت
8.2.1۔ بہمنی دور کے مرثیے میں اجزائے ترکیبی سے گریز
8.2.2۔ بہمنی دور میں شہادت نامے کی روایت
8.3۔ قطب شاہی دور میں مرثیہ نگاری
8.3.1۔ دکنی مرثیہ کی خصوصیت
8.3.2۔ دکنی میں شہادت نامہ کی روایت
8.3.3۔ قطب شاہی دور کے مرثیوں میں زبان کا انداز
8.4۔ عمومی جائزہ
8.5۔ فرہنگ
8.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
8.7۔ مشقی سوالات
8.8۔ جواباتِ سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات
8.9۔ امدادی کتب

8.0۔اغراض ومقاصد:۔

سبق ،،مرثیہ دکن'' کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ مرثیہ کی صنفِ ادب کی خصوصیات، اس کی ہیئت اور اسلوب کو سمجھ سکیں، دکن میں مرثیہ نگاری کے آغاز اور اس کے ادبی وتہذیبی پس منظر کا ادراک حاصل کر سکیں، اشعار کے مفہوم اور مشکل الفاظ وتراکیب کی تشریح کر سکیں، دکنی مرثیہ نگاروں کی ادبی خدمات کا اندازہ لگا سکیں، اور مرثیے کے فکری، جذباتی اور تاثراتی پہلوؤں کو سمجھتے ہوئے اس کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کر سکیں، نیز آپ میں زبان کی درست ادائیگی ،فصاحت وبلاغت اور ادبی ذوق کو بہتر طور پر برتنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

8.1۔تعارف

دکن میں بہمنی سلطنت کے قیام کی وجہ سے اس سارے علاقے کو تہذیب وثقافت ہی نہیں بلکہ شعروادب اور ملی جلی تہذیب سے وابستگی کا موقع ملا۔بہمنی سلاطین نے ایران کی سرزمین سے دہلی اور پھر دہلی سے دکن کا رخ کر کے دولت آباد کے علاقے کو آباد کیا تھا۔تغلق سلطنت کے خاتمے کے بعد گلبرگہ کو پایہ تخت بنا کر علاؤالدین حسن گنگو بہمنی نے 1347ء میں بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔جملہ 18 بادشاہوں نے پہلے گلبرگہ اور پھر بیدر کو پایہ تخت بنا کر حکمرانی کی اور کلیم اللہ بہمنی کے دور اقتدار کے بعد 1527ء میں بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا جس کے بعد دکن میں پانچ نئی سلطنتیں قائم ہوئیں۔دکن میں سب سے پہلے واقعات کربلا اور حضرت امام حسین کی شہادت کو نمائندگی دینے کے لئے شاعروں نے شہادت نامے لکھے یا پھر مرثیے لکھ کر پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے نواسے حضرت امام حسین کی اسلام کے لئے قربانی دینے کو اہم واقعہ قرار دے کر اس پر شعر گوئی کی روایت کا آغاز کیا۔

8.2۔دکن میں مرثیہ کی روایت:۔

اردو میں مرثیہ نگاری کی ابتدا دکن سے ہوئی، جہاں یہ صنفِ ادب صوفیائے کرام کی سرپرستی میں نشوونما پاتی رہی۔دکن کا ادبی ماحول مذہبی روایات، روحانیت اور عوامی میلانات کا حسین امتزاج تھا، جس نے مرثیہ جیسی صنف کے فروغ کے لیے سازگار فضا فراہم کی۔اس روایت کا باقاعدہ آغاز اشرف بیابانی کی تصنیف نوسر ہار 1503 سے ہوتا ہے، جسے اردو مرثیہ نگاری کی اولین مستند کاوشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔اشرف

بیاپانی نہ صرف مراثی تحریر کرتے تھے بلکہ اپنی مجالس میں خود انہیں پڑھتے بھی تھے، جس سے اس صنف کو عوامی سطح پر مقبولیت اور استحکام حاصل ہوا۔

بعد ازاں حضرت شاہ برہان الدین جانم، غواصی اور وجہی جیسے شعرا نے بھی دکنی زبان میں مراثی تخلیق کیے۔ ان شعرا کی کاوشوں سے مرثیہ نگاری کی روایت کو تسلسل ملا اور یہ صنف بتدریج ادبی ارتقا کی منازل طے کرنے لگی۔ دکنی مراثی میں زبان سادہ، دلنشیں اور عوامی رنگ لیے ہوئے ہے، جس کے باعث یہ عام لوگوں کے دلوں تک براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان مراثی میں مذہبی عقیدت کے ساتھ ساتھ صوفیانہ فکر کی جھلک بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔

نصیر الدین ہاشمی کے مطابق دکنی مرثیے کا بنیادی مقصد حضرت امام حسینؓ اور اہلِ بیتِ رسالت کے غم کو تازہ کرنا اور ان کی یاد میں رنج و الم کا اظہار کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مراثی میں جذبات کی سچائی اور خلوص کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ دکنی مرثیہ نگاروں نے حتیٰ الامکان فرضی روایات اور افسانوی عناصر سے گریز کیا، جس کے باعث ان کے کلام میں ایک طرح کی سادگی، وقار اور حقیقت پسندی پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان مراثی میں واقعہ نگاری (واقعاتِ کربلا کی ترتیب وار پیشکش) اور مرقعہ نگاری (مناظر اور کرداروں کی تصویری جھلک) کے عناصر بھی نمایاں طور پر موجود ہیں، اگرچہ یہ عناصر ابتدائی اور سادہ صورت میں نظر آتے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو دکن کا مرثیہ اردو ادب میں اس صنف کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں اس نے ابتدائی شکل اختیار کی، مذہبی و روحانی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنا، اور بعد کے ادوار کے لیے ایک مضبوط روایت قائم کی، جسے آگے چل کر لکھنؤ کے شعرا نے فنی بلندیوں تک پہنچایا۔ عام طور پر کربلا کے واقعات جس شاعری میں بیان کئے جاتے ہیں، اسے مرثیہ کہا جاتا ہے۔ بہمنی دور سے وابستہ دکنی شاعروں نے مرثیہ نگاری بھی کی اور اس کے ساتھ ہی میدان کربلا کے واقعات کو ہر روز کی تفصیلات کے ساتھ بیان کرتے ہوئے یکم محرم سے 10 محرم تک یا پھر بعض اوقات یکم محرم سے 12 محرم یعنی زیارت امام حسین کے واقعات کو ہر دن کی تفصیلات کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ ایسے رثائی شعری حصے کو شہادت نامے کا نام دیا گیا۔ دکن کی قلمی کتابوں کی فہرستوں میں کئی شہادت نامے دہ مجلس''اور''دواز دہم مجلس'' کے علاوہ ''کربل کتھا'' کے نام سے موجود ہیں، جن میں کربلا کے واقعات کا بیان اور شہادت حسین کی تفصیلات رثائی انداز سے شاعری میں پیش کی گئی ہے۔ دکنی شاعروں نے بہمنی دور میں جو شاعری کی اس کے ذریعہ کربلا کے واقعات کی نمائندگی کے لئے مرثیہ نگاری اور شہادت نامہ نویسی کو فروغ دیا گیا۔ عرب کی سرزمین میں

کربلا کے مقام پر وقوع پذیر ہونے والے شہادت کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کیا کہ جس کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہندوستان کی سرزمین میں پیش ہوا اور شاعروں نے اسے اس انداز سے پیش کیا کہ ہر پڑھنے اور سننے والے کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ دکن کے بہمنی علاقوں سے وابستہ شاعروں نے کربلا کے واقعات کو جس دل دوز انداز اور کیفیاتی فضاء میں پیش کیا اس کے نتیجے میں ہر ذات، فرقے اور مذہب کے انسان نے یہ محسوس کیا کہ کربلا کے میدان میں شہید ہونے والے حضرت امام حسین صرف مسلمانوں کے رہنما نہیں بلکہ ساری انسانیت کے رہنما تھے۔ اس لئے ان کی شہادت پر صرف مسلمانوں کو غم منانے کا حق نہیں، بلکہ دنیا کی ہر قوم کو غم منانا چاہئے۔ بہمنی دور کے شاعروں نے مرثیہ اور شہادت نامے کے ذریعہ شاعری کو غمگین تصورات سے وابستہ کرکے اس انداز سے پیش کیا کہ جس کی وجہ سے ہندوستان کے ہر طبقے کے انسان کے دل میں امام حسین سے محبت پیدا ہوگئی اور اسی محبت کے نتیجے میں رثائی شاعری دکنی ادب کا حصہ بنی۔ اس شاعری میں دلی جذبات اور تکلیف دہ واقعات کو بیان کرنے کا ایسا وصف تھا کہ جس کی وجہ سے دکنی رثائی شاعری، شہادت نامے اور مرثیہ نگاری سے وابستہ ہوگئی۔ اس دور تک دکنی ادب میں مرثیہ کے لئے اجزاء ترکیبی اور شہادت نامے کے لئے نوحہ کا عنصر شامل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے دکنی مرثیے اور شہادت ناموں میں وہ تاثر قائم نہیں ہوتا، جو بعد میں دبستان لکھنو کے مرثیہ گو شاعروں کے کلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔

8.2.1۔ بہمنی دور کے مرثیے میں اجزائے ترکیبی سے گریز:۔

مرثیے کی روایت صنف کے اعتبار سے عربی زبان سے فارسی میں منتقل ہوئی اور فارسی کے زیر اثر اردو زبان کا حصہ بن گئی، چونکہ دکنی بھی اردو کی ابتدائی شکل ہے اور بہمنی دور میں فروغ پانے والی شاعری اور نثر کو دکن کی حیثیت سے شناخت حاصل ہے، فارسی زبان خالص ایران میں پیدا ہونے والی زبان ہے اور اس زبان کے ماننے والوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد بارہ اماموں اور ان میں حضرت امام حسین کی امامت کو فضیلت دی ہے اور ان کی شہادت کو ساری دنیا کے سانحہ سے تعبیر کر کے اس کے واقعات کی تفصیلات کو شاعری میں بیان کرکے مرثیہ اور شہادت نامے کی بنیاد رکھی۔ اس کے تتبع میں دکن کے علاقے میں بسنے والے دکنی شاعروں نے بھی اردو کی ابتدائی شکل میں مرثیے اور شہادت نامے لکھے۔ لیکن دکنی مرثیوں میں آج کے اردو مرثیے کی طرح آٹھ اجزائے ترکیبی جیسے ۱) چہرہ ۲) سراپا ۳) رخصتی (۴) رجز ۵) جنگ (۲) شہادت (۷) بین

وبکا(۸) دعا کا انداز دکھائی نہیں دیتا۔سب سے پہلے دبستان دہلی کے زوال کے موقع پر مرثیے کے لئے آٹھ اجزائے ترکیبی کا تعین کیا گیا اور لکھنو کے شیعہ بادشاہوں کے زیر نگرانی لکھنوی شاعروں نے واقعات کربلا کو آٹھ اجزاء میں پیش کرتے ہوئے مرثیہ نگاری کو فروغ دی۔دکن کے بہمنی سلاطین نے جب مرثیہ نگاری کی طرف توجہ دی تو ان شاعروں کے ذہن میں مرثیہ نگاری کے لئے موجود اجزائے ترکیبی کا لحاظ نہ ہونے کے برابر تھا۔بعد کے دور میں اردو مرثیے لکھنے کے لئے چھ مصرعوں کی ہیئت یعنی "مسدس" طرز کو مرثیے کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔دکنی مرثیوں میں مسدس کی ہیئت کا انداز بھی نہیں پایا جاتا۔اس طرح بہمنی دور کے دکنی میں لکھے ہوئے مرثیے اجزائے ترکیبی سے بے نیاز اور اس طرح بہمنی دور کے دکنی میں لکھے ہوئے مرثیے مسدس کی ہیئت کو قبول کئے بغیر بیشتر مریثے غزل کی ہیئت یا پھر مثنوی کے طرز کے علاوہ قصیدے کی خصوصیت کو پیش کرتے ہیں۔جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بہمنی دور کے مرثیوں میں ایک جانب تو اجزائے ترکیبی سے گریز اہمیت کا حامل ہے تو دوسری طرف دکنی مرثیہ گو شعراء نے مرثیہ نگاری کے لئے مسدس کی ہیئت کو بھی قبول نہیں کیا۔دکنی مرثیے اس وجہ سے بھی انفرادیت کے حامل ہیں کہ شاعروں نے مسدس اور مخمس کے طرز کو اختیار کرنے کے بجائے غزل کے طرز اور مثنوی کے انداز کو فروغ دیتے ہوئے مرثیہ نگاری کی خصوصیت کو دکنی شاعری کا وسیلہ بنایا۔

8.2.2۔بہمنی دور میں شہادت نامے کی روایت:۔

بہمنی دور کی شاعری کو تجرباتی دور کی شاعری قرار دیا جائے گا۔کیونکہ اس وقت تک شاعری کے انداز کو اختیار کرنے کے لئے فارسی ادبیات سے مختلف شعری اصناف کو اختیار کیا گیا تھا۔دکنی شاعروں نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ شہادت نامہ اور مرثیہ نگاری کے دوران وہی طریقے اختیار کئے جائیں، جو فارسی شاعری کی اصناف کا حصہ ہیں، بلکہ دکن میں مرثیہ نگاری ترتیب وار بیان یا مثنوی کے طرز پر شہادت نامے لکھنے کی روایت بھی ترقی یافتہ شکل میں دکھائی دیتی ہے۔حضرت امام حسینؓ کے کربلا کے واقعات کو ایران کے شاعر ملا حسین واعظ کاشفی نے ''روضۃ الشہادہ'' میں پیش ہیں۔جو 10 ابواب پر مشتمل ہے۔کاشفی کی شاعری کو مثنوی کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی ہے۔دکن کے مشہور شاعر اشرف بیابانی نے دکنی مثنوی "نوسرہار" کے ذریعہ شہادت حسینؓ کے واقعہ کو مثنوی کے روپ میں پیش کیا ہے۔اشرف کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرہٹواڑہ کے علاقے جالنہ میں فخر آباد کے مقام پر عالیشان گنبد ہے اس میں اشرف مدفون ہے۔اشرف بیابانی کا عہد نظام شاہ بہمنی اور محمد شاہ ثانی

بہمنی کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بہمنی دور کے شاعر کی حیثیت سے اشرف کی لکھی ہوئی مثنوی نما مرثیے کی خصوصیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اشرف نے مثنوی کی ہیئت میں مرثیہ لکھا۔ جس کے بعد شہادت نامے کے انداز میں مرثیہ لکھنے کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔ بہمنی دور کے بے شمار شہادت نامے قلمی کتابوں کی حیثیت سے سالار جنگ میوزیم لائبریری اور ادارہ ادبیات اردو کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان شہادت ناموں پر مصنفین کے نام اور عہد درج نہیں کیا گیا اس لئے یہ فیصلہ کرنا سخت دشوار ہے کہ یہ شہادت نامے کن شاعروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان قلمی شہادت ناموں کا داخلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کربلا کے واقعات بیان کرنے والے ان شہادت ناموں کا دور کونسا ہے۔ غرض قلمی کتابوں کی فہرستوں سے نتائج اخذ کر کے شہادت ناموں کے نام اور ان کی تاریخ مدون کی جاسکتی ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہمنی دور کو مختلف خصوصیات کی وجہ سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ محمد بن تغلق کے دولت آباد کو پایہ تخت بنانے کے دوران 1327ء میں امیران صدہ کے سربراہ کی حیثیت سے حسن موجود تھا، جس نے دہلی کی تغلق سلطنت کمزور پڑ جانے کے بعد 1347ء میں گلبرگہ کو پایہ تخت بنا کر بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بہمنی سلطنت سے وابستہ 18 بادشاہوں نے دکن کے مرہٹی، کنڑی اور تلگو زبانوں کے علاقوں پر حکمرانی کی۔ انہوں نے مقامی باشندوں اور مسلمانوں میں تال میل کا رجحان پیدا کرنے کے ساتھ عوامی تقاریب کو بھی بڑی اہمیت دی، جس کی وجہ سے بہمنی سلطنت کے دوران ملی جلی زبان دکنی کو فروغ حاصل ہوا۔ بادشاہ بذات خود علم وادب. کے قدر دان اور عمارت سازی کے ماہر تھے۔ اس دور میں دکنی زبان کی شاعری اور نثر نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ شاعری کی کئی اصناف کے علاوہ مرثیہ نگاری پر توجہ دیتے ہوئے دکنی شاعروں نے واقعات کربلا اور شہادت امام حسین کو شاعری کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ بہمنی دور میں دکنی شاعروں کی تعداد بہت مختصر ہے، لیکن ان شعراء نے بادشاہوں کے شیعہ مسلک کا لحاظ کرتے ہوئے ماہ محرم میں یوم عاشورہ کی تقاریب کے لئے مرثیے لکھے۔ بہمنی دور میں صرف کربلا کے واقعات کو امام حسین کی شہادت سے وابستہ کر کے پیش کرنے کو مرثیہ کی روایت کا موقف حاصل ہوا۔ بہمنی دور میں لکھے گئے تمام مرثیے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں مرثیہ نگاری کے لئے اجزائے ترکیبی کا تعین نہیں تھا۔ دہلی اور لکھنو میں مرثیہ لکھنے کے لئے آٹھ اجزائے ترکیبی اور مسدس کی ہیئت کو اختیار کیا گیا۔ بہمنی مرثیے نہ تو اجزائے ترکیبی کی پابندی کرتے ہیں اور نہ ہی اس دور میں مرثیے کے لئے کسی شعری ہئیت کا تعین ہوا تھا۔ اس لئے بہمنی دور کے بیشتر مرثیہ گو شعراء نے یا تو مثنوی کی ہیئت میں مرثیے لکھے یا پھر غزل اور قصیدے کی ہیئت کو اختیار کرتے ہوئے

مرثیے کی روایت کوفروغ دیا۔اس دور میں مرثیہ لکھنے کا ایک اچھوتا انداز شہادت نامہ بھی اہمیت کا حامل رہا۔میدان کربلا کے ہر روز کے واقعات کو ایک ایک مجلس کے انداز سے ''دہ مجلس'' کو شاعری میں پیش کرنا ''شہادت نامہ'' کہلاتا تھا۔بعض شہادت نامے 10 مجلسوں میں اور بعض 12 مجالس میں پیش کیے گئے۔بہمنی دور سے وابستہ کئی شہادت ناموں کے نسخے سالار جنگ میوزیم لائبریری اورادارہ ادبیات اردو کی قلمی لائبریری میں موجود ہیں لیکن ان کے لکھنے والوں کے نام نہ ہونے کی وجہ سے ان کا تعارف دشوار ہے۔ بہمنی دور کے مرثیوں میں رثائی عناصر کی کمی ہے اور اس دور کی زبان پر عربی اور فارسی کے بجائے سنسکرت کے الفاظ کا چلن عام ہونے کی وجہ سے اس کے املا اور اظہار میں تکلف پیدا ہوتا ہے اور اس شاعری کو پڑھنا اور سمجھنا سخت دشوار ہے۔بہمنی دور کے مرثیہ نگار شاعروں نے واقعات کربلا کے بیان اور حالات کی پیشکشی پر توجہ دی،اس میں بین وبکا کا عنصر شامل نہ ہونے کی وجہ سے بہمنی دور کے مرثیوں میں رثائی انداز کارفرما نظر نہیں آتا۔دکنی شاعروں میں مرثیے لکھ کر حالات بیان کرنے اور واقعات پیش کرنے پر اکتفاء کیا۔ان کی شاعری میں رونے اور رلانے کا عنصر شامل نہ ہونے کی وجہ سے رثائی عنصر کی کمی دکھائی دیتی ہے۔بہمنی دور سے وابستہ مرثیہ نگار شاعروں میں اشرف بیابانی،مشتاق اور میراں جی شمس العشاق کے کلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان شعراء نے کربلائی مرثیے لکھے،جبکہ میراں جی شمس العشاق کے صاحبزادے برہان الدین جانم نے شخصی مرثیے کی روایت کا آغاز کیا۔اس طرح بہمنی سلاطین کے دور میں دکنی شاعری کے توسط سے مرثیہ نگاری اور شہادت نامے کی روایت کوفروغ حاصل ہوا۔مگر ان مرثیوں اور شہادت ناموں میں دہلی اور لکھنو میں لکھے جانے والے مرثیوں کی تاثیر اس لئے نہیں پائی جاتی کہ بہمنی دور کے مرثیوں کو دکنی میں مرثیوں کے آغاز کا درجہ حاصل ہے۔ دہلی اور لکھنو میں مرثیہ لکھنے کے دوران مرثیے کی ہیئت اور اس کے اجزائے ترکیبی کا تعین نہیں ہوا تھا۔دکن میں ان دونوں خصوصیات یعنی ہیئت اور اجزائے ترکیبی کے نہ ہونے کے علاوہ مبالغے کی خصوصیت کو شامل نہ کرنے کے نتیجے میں دکنی مرثیے شمالی ہند کے مرثیوں کی طرح تاثر پیش کرنے میں ناکام ہوجاتے ہیں۔اس کی سب بڑی وجہ بہمنی دور کے دکنی مرثیے اردو مرثیہ نگاری میں ابتدائی نقش کا درجہ رکھتے ہیں۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے مرثیہ دکن کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 8.8 حصہ سے رجوع کریں۔

درست کے آگے(✓) اور غلط کے آگے(X) کا نشان لگائیں۔

۱۔میدان کربلا کے ہر روز کے واقعات کو ایک ایک مجلس کے انداز سے ''دہ مجلس'' کو شاعری میں پیش کرنا '''شہادت نامہ'' کہلاتا تھا

۲۔بہمنی دور سے وابستہ مرثیہ نگار شاعروں میں اشرف بیابانی،مشتاق اور میراں جی شمس العشاق کے کلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے

۳۔ میراں جی شمس العشاق کے صاحبزادے برہان الدین جانم نے شخصی مرثیے کی روایت کا آغاز کیا

۴۔بہمنی دور کے دکنی مرثیے اردو مرثیہ نگاری میں ابتدائی نقش کا درجہ نہیں رکھتے ہیں۔

8.3۔ قطب شاہی دور میں مرثیہ نگاری:۔

قطب شاہی دور میں دکنی شاعری کی ہر صنف کو فروغ حاصل ہوا۔اس دور کے شاعروں نے شعر گوئی کے لئے فارسی کی شعری اصناف پر توجہ دی، گو کہ دکنی شاعری میں سنسکرت لفظیات اوران کے استعمال پر خصوصی توجہ دی گئی ہے،لیکن دکنی شاعروں نے سنسکرت کی شعری اصناف کو شاعری کے دوران استعمال میں نہیں لایا۔قطب شاہی دور کے بادشاہ بذات خود امامیہ مذہب کے قائل تھے اوران کے دور میں شہادت حسین کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ماہ محرم میں غم حسین منانا ان کے مذہب کا حصہ تھا،اسی لئے قطب شاہی دور میں کربلا کے واقعات کو بنیاد بنا کر جس قسم کی شاعری کی طرف توجہ دی گئی،اسے شہادت نامے اور مرثیہ نگاری کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔قطب شاہی دور میں شعر گوئی کے لئے دو انداز ہی مشہور تھے۔غزل کے انداز میں شاعری کی جاتی تھی یا پھر مثنوی کے طرز کو اہمیت دی جاتی تھی۔اس زمانہ تک شاعری کے لئے ہیئت کے تجربے پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ مثلث، مربع مخمس، مسدس اور مثمن کی ہیئت کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا،اسی لئے قطب شاہی دور میں لکھے جانے

والے بیشتر مرثیے کربلا کے واقعات کی نشاندہی کرتے اورغزل کی ہیئت کوفروغ دیتے ہیں،اس کے علاوہ قطب شاہی دور میں کربلا کے واقعات کو ہر روز کی واقعہ نگاری کی بنیاد پر دس یا بارہ مجالس میں پیش کیا گیا،انھیں مرثیہ کے بجائے ''شہادت نامے کا نام دیا گیا۔اس طرح قطب شاہی دور میں بادشاہوں نے ہی مرثیے نہیں لکھے بلکہ اس دور کے مثنوی نگار اورغزل گوشعراء نے بھی مرثیہ نگاری کی روایت کوفروغ دیا۔قطب شاہی دور کے مرثیوں میں 8 اجزائے ترکیبی کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے اور بعد کے دور میں جس طرح دہلی اورلکھنو کے شاعروں نے مرثیہ میں مبالغہ، ہندوستانی عناصر اور ڈرامائی انداز کوشامل کر کے اس صنف کو رثائی شاعری کا وسیلہ بنایا،اس قسم کا مبالغہ اور واقعہ کے بیان کے دوران بیجا طوالت کا انداز قطب شاہی دکنی مرثیوں میں دکھائی نہیں دیتا۔غرض قطب شاہی دور کے شاعروں نے عقیدت اور مذہبی فریضے کی تکمیل کے طور پر کربلا کے واقعات اور امام حسین پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کو شاعری میں بیان کر کے عرب کی سرزمین کے واقعہ کو اس قدر مقبول بنادیا کہ کربلا کے واقعہ کی تفصیلات اور اس کے اظہار کے دوران دکن کے تمام مذاہب اور طبقات کے لوگ شریک ہوتے اورغم حسین منانے کو دکن کی سماجی ضرورت اور اخلاقی فریضہ کی حیثیت سے قبول کیا۔قطب شاہی بادشاہوں کی دریا دلی اور مختلف علاقوں میں عاشور خانے قائم کرنے کی وجہ سے سارے علاقے میں واقعات کربلا کی نمائندگی ہونے لگی۔اسی سماجی اتفاق کی وجہ سے قطب شاہی دور میں مرثیوں کو ہی نہیں بلکہ شہادت ناموں کو بھی اہمیت حاصل ہوئی۔قطب شاہی دور کے مرثیوں میں غزل کا انداز واضح ہے،البتہ شہادت نامے بہت کم لکھے گئے اور اس دور کے بیشتر شہادت نامے قلمی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

8.3.1 ۔دکنی مرثیہ کی خصوصیت:۔

شاعری کی دنیا میں مرثیہ کی روایت عربی زبان سے فارسی اور پھر فارسی سے دکنی میں منتقل ہوئی۔عربی لفظ رثی سے مشتق رثائی شاعری کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔عربی زبان میں رثی کے معنی مرنے والے پر رونا یا اس کی موت پر بین و بکا کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں،چنانچہ مرثیہ اس قسم کی شاعری کو کہا جاتا ہے،جس میں مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کی موت پر افسردگی کا اظہار کیا جائے اور مرنے والے کی صفات مبالغہ کے ساتھ پیش کئے جائیں تو ایسی شاعری بیانیہ انداز سے مرثیہ کہلاتی ہے۔مرثیہ کے دوران شاعر اپنے جذبات اور احساسات کو غم انگیز پیرائے میں بیان کرتے ہوئے دکھ بھرے لہجے کا اظہار کرتا ہے۔اردو کی شاعری میں عام طور پر کربلا کے واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام

حسین کی شہادت اور میدان کربلا میں ان کی شجاعت کو بیان کرتے ہوئے مرثیہ لکھے گئے۔ دکنی شاعری میں بھی مرثیہ لکھنے کے دوران اسی انداز کو پیش نظر رکھا گیا۔اس دور میں جبکہ دکنی زبان پھلنے اور پھولنے لگی تھی لیکن شاعری کے صنفی طریقوں پر توجہ نہیں دی گئی تھی،اس لئے قطب شاہی دور میں لکھے ہوئے کربلا کے واقعات کی نمائندگی کرنے والے دکنی مرثیوں میں واقعات کی ترتیب اور اظہار کی خصوصیت کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے پر توجہ نہیں دی گئی۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہی رہی کہ قطب شاہی دور کے بیشتر مرثیہ نگاروں نے واقعات کربلا کے بیان اور امام حسین کی شہادت کے واقعات کو پیش کرنے کے دوران غزل کی ہیئت کو استعمال کیا یا پھر مثنوی کے طرز پر توجہ دی،جس کی وجہ سے کربلا کے واقعات کی ترتیب اور ہر شعر میں تسلسل کو قائم رکھنا قطب شاہی دور کے مرثیہ میں ممکن نہ ہو سکا۔اس دور تک مرثیہ کے اجزائے ترکیبی یعنی ا چہرہ،۲ سراپا،۳ رخصتی،۴،رجز،۵ جنگ،۶ شہادت،۷ بین وبکا اور ۸ دعا کا تعین نہیں ہوا تھا،اسی لئے قطب شاہی دور کے مرثیہ گوشعراء نے غزل کی ہیئت میں مرثیہ لکھے یا پھر مثنوی کی ہیئت میں شہادت نامہ لکھ کر واقعات کربلا کے بیان کو شاعری کا حصہ بنایا۔اشرف بیابانی کی لکھی ہوئی مثنوی ''نوسر ہار'' کو دکنی کے پہلے شہادت نامے کا درجہ حاصل ہے،جس کے بعد مرثیہ کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔قطب شاہی دور میں مرثیہ کا انداز غزل سے مربوط ہے اور بیشتر قطب شاہی بادشاہ ہی نہیں،بلکہ اس دور کے دیگر مثنوی نگار اور غزل گوشعراء نے بھی شہادت حسین کے واقعہ کو شاعری میں پیش کر کے مرثیہ کے فن کو،ان مرثیوں میں دہلی اور لکھنو کے مرثیہ کی خصوصیت نمایاں نہیں ہوتی،دہلی اور لکھنو میں مرثیہ نگاری کو اجزائے ترکیبی اور مقامی عناصر کے علاوہ مبالغہ سے وابستہ کیا گیا،ان خصوصیات کی دکن میں عدم موجودگی کی وجہ سے دکنی مرثیے صرف کربلا کے واقعات پر افسردگی کا اظہار کرنے تک محدود ہ سے قطب شاہی دور میں یہی مرثیے عوام میں مقبول ہو چکے تھے۔ان مرثیوں میں زبان کی قدامت کی وجہ سے اس کی قرأت اور سماعت آج بھی دشوار اور اس کی ترسیل بھی مشکل ہے۔

8.3.2۔دکنی میں شہادت نامہ کی روایت:۔

قطب شاہی دور کی شعری روایت میں مرثیہ کو عروج حاصل ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی کربلا کے میدان کے واقعات اور امام حسین کی شہادت کے معاملات کو روزمرہ کی بنیاد پر شاعری میں پیش کرنے کا رجحان بھی قطب شاہی دور کی شاعری کی خصوصیت رہا ہے۔شہادت نامہ بھی مرثیہ کی ایک شکل ہے،لیکن فرق یہی ہے کہ شہادت نامے کے ذریعہ شاعر واقعہ کربلا کی جملہ کیفیت کو بیان کرنے کے بجائے ہر روز کربلا کے

میدان میں پیش آنے والے واقعات کومثنوی کے انداز میں پیش کرتا ہے۔جس طرح مثنوی میں قصہ بیان کرنے کی روایت فروغ پاتی ہے،اسی طرح شہادت نامہ میں بھی شاعرحضرت امام حسین کومرکزی کردار کا درجہ دے کرکربلا کے واقعات کو ہردن کے وقفہ کے ساتھ بیان کرتا اوراس کے ذریعہ افسردگی کا اظہار بھی کرتا ہے، یہی انداز شہادت نامہ کے آغاز کا سبب بنتا ہے۔دکن کے مختلف علاقوں میں ایام محرم منائے جاتے اور گھر گھر میں غم حسین کی یادتازہ کرنے کے لئے شہادت نامے پڑھے جاتے تھے۔عام طور پر وقت مقررہ پرکسی گھر میں لوگ جمع ہوتے کوئی خطیب کی طرح سادہ یا پھرلحن کے ساتھ شہادت نامے پڑھ کرسناتا تھااور تمام لوگ محفل میں بیٹھ کرشہادت نامہ سنتے اورامام حسین کی یادتازہ کیا کرتے تھے۔ایسی محفلوں میں بعض افرادزبانی شہادت نامے سنانے کے علاوہ موقع بہ موقع اصل شہادت نامے کے اشعار ہم وزن الفاظ اوراشعاراضافہ کرکے سنایا کرتے تھے۔دکن میں بہمنی دور سے لے کر پانچ مسلمان سلطنتوں کے اختتام تک بھی اس روایت کا چلن عام رہا، بلکہ حیدرآباداوراس کے نواحی علاقوں میں ریاست حیدرآباد کے انڈین یونین میں انضمام اور آزادی ہند کے بعدایسی محفلوں کا چلن عام رہا، بلکہ ماہ محرم کی آمد کے ساتھ ہی کتب فروشوں کی دکانوں پرشہادت نامے فروخت ہوا کرتے تھے۔اسی طرح ماہ ربیع الاول میں میلادناموں کی محفلوں کی بڑی دھوم ہوتی تھی۔دکن کی قطب شاہی سلطنت کے بادشاہوں نے عاشورخانے قائم کئے، جہاں دن میں میلے کا سماں ہوتا تھااوررات میں مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔دکن کی سرزمین میں لکھے جانے والے شہادت ناموں کو یکجانہیں کیا گیااورنہ ہی اس کی کوئی تاریخ مدون ہوئی،جس کی وجہ سے قطب شاہی دور کے شہادت ناموں کی تفصیلات کا بیان دشوار ہے، البتہ سالار جنگ میوزیم لائبریری اورادارہ ادبیات اردوحیدرآباد کی لائبریری کے علاوہ،آندھرا پردیش مینواسکرپٹ لائبریری کے قلمی مخطوطات میں بیشمارشہادت نامے دستیاب ہیں،جن سے اس دورکی تاریخ کونمائندگی دینا آسان ہوجاتا ہے۔

قطب شاہی مرثیوں میں فن کا رچاؤ:۔

قطب شاہی مرثیے غزل کی ہیئت میں لکھے گئے۔غزل کے ہرایک شعرمیں کیفیت کو بیان کرنااورواقعاتی کشش کی نمائندگی سخت دشوار ہوتی ہے۔اس خصوصیت کومحسوس کرتے ہوئے شمالی ہند کے مرثیہ نگاروں نے اس صنف کے لئے غزل،مثلث اورمربع کی ہیئت کومناسب نہیں سمجھا، بلکہ پوری کیفیاتی فضاء کونمائندگی دینے اورواقعہ کے بیان میں کشش پیدا کرنے کے لئے مسدس کی ہیئت کومناسب سمجھا،جس کی وجہ سے

شمالی ہند کے دہلی کے شعراء ہی نہیں بلکہ لکھنو کے شعراء نے بھی مرثیے کی صنف کے لئے مسدس کی ہیئت کو قبول کرلیا۔ کیونکہ جنوبی ہند میں بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے بادشاہوں نے ہی نہیں، بلکہ اس دور کے درباری شاعروں اور عام شاعروں نے بھی مرثیہ نگاری کو فارسی کی شعری صنف اور کربلا کے واقعات کو پیش کرنے کے التزام کے لیے اس صنف کا اہتمام کیا لیکن اس وقت تک شاعروں کی توجہ فن کی طرف راغب ہوئی، انہوں نے ہیئت کے تجربے کی طرف توجہ نہیں دی، اسی لئے قطب شاہی دور کے مرثیوں میں فن کے اعتبار سے کربلا کے واقعات کا اظہار ضرور موجود ہے، لیکن فن کے رچاؤ کے سلسلہ میں کربلائی مرثیے غزل کے طرز کو پیش کرتے رہے۔ اس لئے ان مرثیوں میں واقعات کے تسلسل اور کربلا کے میدان کا کیفیت کو بیان کرنے کا حسن پیدا نہ ہوسکا۔ اگر مرثیہ نگاری کے لئے ابتداء سے ہی فن اور بیت کا تعین ہوتا تو قطب شاہی دور میں بھی کامیاب انداز کے مرثیے لکھے جاتے۔ مرثیے کا فن تو عربی اور فارسی ادب سے دکنی اور اردو زبان میں منتقل ہوا۔ قصہ کا بیان اور واقعات کے تسلسل کو پیش کرنے میں غزل کے اشعار مددگار نہیں ہوتے۔ اس دور میں غزل مسلسل کی روایت بھی موجود نہیں تھی۔ اس کے علاوہ قطعہ بند کی روایت کو بھی فروغ حاصل نہیں ہوا تھا، جس کے نتیجے میں قطب شاہی دور کے سلاطین ہی نہیں بلکہ درباری شعراء اور عام شعراء نے فنی اعتبار سے کربلا کے واقعات کو مرثیے میں شامل کیا، لیکن غزل کی ہیئت میں مرثیے لکھنے کی وجہ سے قطب شاہی سلاطین کے دور کے مرثیوں میں صنف کی نمائندگی تو ہوگئی لیکن فن کے دوران واقعات کی ترتیب اور اظہار کی بندش کے علاوہ ربط و تسلسل کی کیفیت کو دو مصرعوں میں بیان کرنا سخت دشوار تھا، اس لئے قطب شاہی مرثیوں کو صرف امام حسین کی شہادت پر افسردگی کا اظہار کرنے والے مرثیے قرار دیا جاتا ہے جس میں کربلا کے واقعات کی نشاندہی کرنے والا غزلیہ انداز کیفیت کو پیش کرنے کا حامل ہے جس کی وجہ سے قطب شاہی مرثیوں میں صنف کا رچاؤ تو دکھائی دیتا ہے لیکن فن کے رچاؤ کو شامل کرنے کے لئے جس ہیئت کی ضرورت تھی، اس ہیئت کو قطب شاہی دور میں فروغ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے قطب شاہی دور کے مرثیے کربلائی واقعات کے اظہار اور شہادت حسین کی کیفیت کو بیان کرنے کے معاملے میں اظہاری رویہ ضروری اختیار کرتے ہیں، لیکن کیفیاتی رویے کی پیشکشی میں ناکام ہوجاتے ہیں قطب شاہی مرثیوں کو فن اور ہیئت کے نمائندہ مرثیے نہیں بلکہ غم حسین کی نشاندہی کرنے والے مرثیے کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوتی ہے۔

8.3.3۔قطب شاہی دور کے مرثیوں میں زبان کا انداز:۔

قطب شاہی دور کے مرثیوں میں استعمال ہونے والی زبان خالص دکنی زبان ہے اور اس دکنی میں اگر چہ قطب شاہی شاعروں نے عربی اور فارسی الفاظ اور تراکیب کے استعمال کے معاملے میں دوسری سلطنتوں جیسے بہمنی اور عادل شاہی سلاطین کے دور کی شاعری کے مقابلے میں صاف، سادہ، رواں اور قابل فہم الفاظ کے استعمال پر توجہ دی ہے لیکن اس کے باوجود بھی قطب شاہی دور کے مرثیوں میں دکنی کے متروک الفاظ اور سنسکرت کی پیچیدہ لفظیات کے علاوہ غیر سجے سجائے اوگھڑ الفاظ کے استعمال کی وجہ سے دکنی مرثیوں کی زبان کی ترسیل دشوار ہے۔اس دور تک زبان کی لفظیات میں تراش خراش کا عمل مکمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہر لفظ کو شاعری میں استعمال کرنے کا چلن عام تھا، جبکہ بعد کے دور میں سبک، رواں اور شعری حسن میں اضافہ کرنے والے الفاظ کو ہی شعری پیراہن عطا کیا گیا۔دکنی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ شعری حسن اور اظہار کی کیفیت کو پیش کرنے میں کامیاب نہیں رہے، جس کی وجہ سے شمالی ہند میں متروکات کی تحریک کو ابھرنے کا موقع ملا، جس طرح ہیرے کو تراشنے کے بعد اس کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے، ورنہ ہیرا بھی پتھر ہی ہے، جبکہ اس کی تراش سے حسن پیدا ہوتا ہے، اس طرح کسی بھی زبان کے لفظ میں سبک پن اور روانی کو شامل کرنے کے لئے اس کی تراش خراش پر توجہ دی جاتی ہے۔دکنی شاعری میں تراش خراش سے بے نیاز سنسکرت اور دراوڑی زبان کے علاوہ مقامی زبانوں کے الفاظ کا استعمال جوں کا توں رہا۔اسی لئے قطب شاہی دور میں لکھے جانے والے مرثیوں کی زبان کو معیاری، ادبی زبان کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور یہ اندازہ بھی قائم ہوتا ہے کہ دکنی زبان کی لفظیات میں کشش نہ ہونے کی وجہ سے ہی شمالی ہند کے شاعروں نے دکنی کو لچر سی زبان کا درجہ دیا۔غرض قطب شاہی دور میں لکھے جانے والے مرثیوں میں زبان کا رچاؤ اور الفاظ کی نفاست ونزاکت کا عمل نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ دکنی زبان کی لفظیات میں شعری حسن کو سجانے کی قدرت موجود نہیں، اس لئے اس دور کی شعری زبان کو ادبی اور معیاری زبان کا درجہ نہیں دیا جاتا، بلکہ قطب شاہی دور کے مرثیوں کو اردو کے ابتدائی مرثیوں کی حیثیت سے شناخت کی جاتی ہے۔

8.4۔عمومی جائزہ:۔

دکن میں مثنوی، قصیدہ، رباعی، غزل، نظم اور ریختی جیسی اصناف کی طرح قطب شاہی دور کے سلاطین اور درباری شاعروں کے علاوہ عام

شاعروں نے حضرت امام حسین کی شہادت کے واقعہ کو بنیاد بنا کر مرثیہ نگاری کی طرف توجہ دی۔قطب شاہی دور میں مرثیے کو ترقی ہوئی اور شہادت نامے آہستہ آہستہ معدوم ہونے لگے۔کربلا کے میدان کے ہر روز کی روداد یکم محرم سے بارہ محرم تک شاعری میں بیان کی جائے اور ہر روز کے واقعات کو الگ الگ طریقے سے پیش کیا جائے تو،اسے شہادت نامے کا درجہ دیا جاتا ہے۔جبکہ کسی بھی شعری ہیئت میں کربلا کے واقعات بیان کرتے ہوئے افسردگی کا اظہار کرنا مرثیہ کہلاتا ہے۔دکنی شاعروں نے مرثیہ کی روایت کو عربی اور فارسی سے اختیار کیا۔ قطب شاہی دور میں غزل کی ہیئت میں مرثیے لکھے گئے۔قطب شاہی دور کے دو بادشاہ محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ نے غزل کے انداز میں مرثیے لکھے۔ان شاعروں کے درباروں سے وابستہ ملا وجہی اور غواصی جیسے شاعروں نے بھی غزل کی ہیئت میں مرثیے لکھنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔دکنی شہادت نامے شائع نہ ہوسکے، بلکہ مختلف قلمی کتب خانوں کی فہرستوں میں قطب شاہی دور کے کئی شاعروں کے شہادت نامے محفوظ ہیں،جن کے دور اور شعر گوئی کا اندازہ نہیں ہوتا۔

قطب شاہی دور سے وابستہ مرثیہ نگاروں میں شاہوں کے علاوہ عوامی شاعروں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔عبداللہ قطب شاہ کے دور کے بیشتر شاعروں نے غزلیہ انداز میں مرثیے لکھے،لیکن ان مرثیوں میں زبان کی شان وشوکت کا انداز دکھائی نہیں دیتا۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ دکنی زبان میں غیر معروف متروک الفاظ اس دور کی شاعری کا وسیلہ بن گئے ہیں۔سلطان شیخ عبداللہ، جنیدی، بلاقی،ابن نشاطی طبعی اور محبّ کے علاوہ غلام علی اور سیوک جیسے شاعروں نے مرثیہ نگاری کو فروغ دیا۔فائز اور لطیف ہی نہیں بلکہ افضل اور فتاحی کے مرثیوں میں صنف کا رچاؤ دکھائی دیتا ہے۔اس دور کے سلطان اور سیوک جیسے شاعروں نے مرثیے کی ہیئت میں تبدیلی کا رجحان پیدا کرتے ہوئے مثلث اور مخمس کے انداز میں مرثیے لکھ کر مرثیے کی صنف کے لئے ہیئت کے تجربے بھی کئے۔

قطب شاہی مرثیہ نگاروں کے کارنامے اس دور کے شاعروں کی ابتدائی کوشش کی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔شاعروں نے کربلا کے واقعات کو عقیدت کے پس منظر میں پیش کرتے ہوئے مرثیہ نگاری کی صنف کی طرف توجہ دی۔امام حسین کے غم کو تازہ کرنے کا مقصدی پہلو قطب شاہی مرثیے میں صنف کے رچاؤ کی طرح نمایاں ہے،لیکن قطب شاہی مرثیے کربلا کے واقعات کی نمائندگی اور احساسات کی گنجائش کو کمتر کر دیتے ہیں، کیونکہ اس دور میں مرثیہ لکھنے کے لئے غزل کی ہیئت کا تعین کیا گیا تھا۔غزل کے دو مصرعوں میں واقعہ بیان کرنا اور اس کی جذباتی

خصوصیت کو اجاگر کرنا مشکل تھا، اس لئے قطب شاہی دور کے مرثیہ نگاروں نے صرف عقیدت کے اظہار کے لئے مرثیے لکھے۔ اگر اس دور میں مرثیے کے اجزائے ترکیبی کا تعین ہو جاتا اور اس کے لئے جس طرح شمالی ہند میں مسدس کی ہیئت اور آٹھ اجزائے ترکیبی کا تعین کیا گیا، اگر یہی عمل دکن میں روا رکھا جاتا تو دکنی مرثیوں میں فن کا کمال واقع ہو جاتا۔ قطب شاہی دور میں غزل مسلسل کا چلن بھی عام نہیں تھا اور مثلث، مربع اور مسدس کی ہیئت کو اعتبار کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے قطب شاہی دور کے مرثیے یکسانیت کا شکار ہیں۔ دکنی کے متروک الفاظ اور سنسکرت کے غیر معروف تراکیب کو دکنی مرثیوں میں شامل کرنے کی وجہ سے مرثیوں کی زبان اور ان کی ترسیل سخت دشوار ہو جاتی ہے۔ اس طرح قطب شاہی دور میں لکھے جانے والے مرثیے اردو کے ابتدائی مرثیے قرار پانے کی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں اور اس دور کے شاعروں نے کربلا کے واقعات سے استفادہ کر کے عقیدت کے اظہار کو مرثیے میں شامل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان کی سرزمین میں رہتے ہوئے کربلا کے واقعہ کو اہمیت دینا اور شہادت حسین کی تعظیم کے لئے شاعری کو بطور وسیلہ استعمال کرنا دکنی مرثیے کی ایسی صفت ہے کہ جس کی وجہ سے دکنی شاعری کی اصناف میں مرثیے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ قطب شاہی دور کے مرثیوں میں نوحہ، بین و بکا اور دعا کے عنصر دکھائی نہیں دیتے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ فنی طور پر قطب شاہی شاعروں نے سب سے زیادہ مرثیے لکھے اور امام حسین سے عقیدت کو ظاہر کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس دور میں کربلا کی حقیقت اور پیغمبر اسلام کے نواسے کی شہادت کو ہندوستان کی سرزمین میں عوام تک پہنچانے کا کارنامہ قطب شاہی دور کے مرثیوں کے ذریعہ عام ہوا۔ اسی لئے اس دور کے مرثیوں اور مرثیہ نگاروں کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

8.5۔فرہنگ:۔

متعدد	کئی، بہت سے
طویل	لمبا، دراز
صلاحیت	درستی، بہتری، خوبی
عقیدہ	یقین، اعتقاد

تقریب	کسی خوشی یا غم کا اجتماع
عزاداری	میت یا شہدائے کربلا کا غم کرنا
روایت	کوئی رسم یا دستور جو پہلے سے قائم ہو

8.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ دکن میں مرثیہ نگاری کی ابتدا کن حالات میں ہوئی؟ اس کے تاریخی، مذہبی اور سماجی پس منظر کو تفصیل سے بیان کریں اور واضح کریں کہ اس صنفِ ادب نے ابتدائی دور میں کس طرح فروغ پایا۔

۲۔ دکن میں مرثیہ نگاری کی ارتقائی صورت کو بیان کریں۔ ابتدائی دور سے لے کر بعد کے ادوار تک اس صنف میں ہونے والی تبدیلیوں اور اس کے فنی و فکری پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالیں۔

۳۔ دکن میں مرثیہ نگاری کے فروغ میں صوفیائے کرام اور مذہبی شخصیات کے کردار کا جائزہ لیں۔ مثالوں کے ساتھ واضح کریں کہ ان کی تعلیمات نے مرثیہ نگاری کو کس طرح متاثر کیا۔

۴۔ دکنی مرثیہ کی لسانی اور اسلوبی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کریں۔ زبان، بیان، تشبیہات، استعارات اور جذباتی اثرات کے حوالے سے اس کی اہمیت واضح کریں۔

۵۔ دکن کے مرثیہ نگاروں کی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیں اور بیان کریں کہ انہوں نے اس صنف کو کس طرح استحکام بخشا۔

۶۔ دکن میں مرثیہ نگاری اور شمالی ہند کی مرثیہ نگاری کے درمیان فرق کو مثالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کریں۔

۷۔ دکنی مرثیہ میں مذہبی عقیدت اور جذباتی اظہار کی نوعیت کو واضح کریں اور اس کے ادبی اثرات پر روشنی ڈالیں۔

۸۔ دکن میں مرثیہ نگاری کے ابتدائی نمونوں کا تجزیہ کریں اور ان کی ادبی و فنی اہمیت کو بیان کریں۔

8.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔دکن میں مرثیہ نگاری کے فروغ میں شاہی سرپرستی کا کیا کردار رہا؟

سوال۔۲:۔دکنی مرثیوں میں کن موضوعات اور اسلوبی خصوصیات کا غلبہ نظر آتا ہے؟

8.8۔جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔دکن میں مرثیہ نگاری کو قطب شاہی اور عادل شاہی حکمرانوں کی سرپرستی حاصل رہی۔درباری ماحول اور مذہبی فضا نے مرثیے کو باقاعدہ ادبی صنف کی حیثیت دی۔

جواب۔۲:۔دکنی مرثیوں میں کربلا کے واقعات،شہادت،صبر اور مظلومیت کے مضامین نمایاں ہیں۔زبان سادہ، جذباتی اور مقامی لسانی رنگ لیے ہوئے نظر آتی ہے۔

جواباتِ سرگرمی

8.9۔امدادی کتب:۔

ا۔ڈاکٹر مسیح الزماں	اردو مرثیہ کا ارتقا ابتدا سے انیس تک
۲۔ڈاکٹر ام ہانی اشرف	اردو مرثیہ نگاری
۳۔نصیرالدین ہاشمی	دکن میں اردو
۴۔پروفسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔۹: مثنوی (دکن)

ساخت:۔

9.0۔ اغراض ومقاصد

9.1۔ تعارف

9.1.1۔ بہمنی دور کی مثنویوں کی زبان

9.1.2۔ بہمنی دور کی مثنویوں کا انداز

9.2۔ عادل شاہی دور میں دکنی مثنوی

9.3۔ قطب شاہی دور کی دکنی مثنویاں

9.4۔ عمومی جائزہ

9.5۔ فرہنگ

9.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

9.7 ۔ مشقی سوالات

9.8۔ جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

9.9۔ امدادی کتب

9.0۔اغراض ومقاصد

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ مثنوی کی صنفِ ادب کی ساخت، ہیئت اور اسلوب کو تفصیل کے ساتھ سمجھ سکیں اور اس کی دیگر اصنافِ سخن سے امتیازی خصوصیات کو پہچان سکیں، دکن میں اردو مثنوی کی ابتدا، ارتقا اور اس کے ادبی و تہذیبی پس منظر کا واضح ادراک حاصل کر سکیں، مثنوی کے اشعار میں بیان ہونے والے قصے، واقعات اور مضامین کو مربوط انداز میں سمجھ سکیں اور ان کے فکری و معنوی پہلوؤں کی وضاحت کر سکیں، مشکل الفاظ، تراکیب اور محاورات کی تشریح کر کے متن کی گہرائی تک رسائی حاصل کر سکیں، دکنی مثنوی نگاروں کی ادبی خدمات اور ان کے اسلوبِ بیان کا تنقیدی جائزہ لے سکیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ میں ادبی ذوق، فہمِ زبان، فصاحت و بلاغت اور تنقیدی و تجزیاتی صلاحیت اس حد تک بہتر ہو جائے گی کہ آپ کسی بھی مثنوی کو بامعنی اور بامقصد انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے

9.1۔تعارف

دکن کے علاقے میں علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کے ساتھ ہی 1347ء میں بہمنی سلطنت کا آغاز ہوا۔اس کے آخری بادشاہ کی حیثیت سے کلیم اللہ بہمنی کے دور 1527ء میں بہمنی سلطنت زوال پذیر ہوتی ہے۔ایک اندازے کے مطابق کچھ کم 200 سال تک دکن کی تین بڑی زبانوں کے علاقے پر بہمنی سلاطین حکمران رہے۔تلگو، مراٹھی اور کنڑی زبانوں کے علاقوں میں بہمنی سلطنت کے آغاز کے ساتھ ہی مقامی باشندوں کے مسلمانوں کے میل جول کی وجہ سے نئی زبان وجود میں آئی جو دکنی کہلاتی ہے۔دکنی زبان میں سب سے پہلی صنف کی حیثیت سے مثنوی کو فروغ حاصل ہوا۔بہمنی سلاطین کے درباروں سے وابستہ بیشتر شاعر اور ادیب ایران کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اور خود بادشاہ ایرانی النسل تھے،اس لئے اس دور کی سرکاری زبان فارسی قرار پائی اور عوام میں مقبول ہونے والی زبان دکنی کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہے۔بہمنی دور کے ذریعہ دکنی زبان میں شاعری کا آغاز ہوا۔دکن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس علاقے میں بسنے والے بیشتر صوفیہ کرام اور بزرگان دین نے بیک وقت شعر گوئی اور نثر نگاری کو فروغ دینے کا حق ادا کیا۔دکنی شاعروں نے شعر گوئی کے لئے تمام تر شعری اصناف کا انتخاب فارسی زبان سے کیا، چنانچہ مثنوی نگاری بھی فارسی کے توسط سے دکن کی عوام میں مقبول زبان یعنی دکنی میں اظہار کا ذریعہ قرار پائی۔دکنی شاعروں نے مثنویوں میں

اخلاقی، متصوفانہ، اساطیری اور داستانوی مثنویوں کے دوسری شعری اصناف کی طرف بھی توجہ دی۔ اس سبق میں دکنی شاعروں کی لکھی ہوئی مثنویوں کے بارے میں تفصیلات درج کی جائیں گی۔ دکنی دور میں لکھی جانے والی مثنویوں کی تعداد کا اندازہ لگانا سخت دشوار ہے؟ تحقیقات کا سلسلہ جاری ہونے کی وجہ سے انکشافات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مختلف تحقیقی کتابوں میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بندہ نواز کے بعد دکن میں شعری روایت کو فروغ دینے والے اہم شاعر کی حیثیت سے فیروز شاہ بہمنی اور اس کی شعر فہمی کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ فیروز شاہ بہمنی کو بہمنی سلطنت کا آٹھواں اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہ کا درجہ حاصل ہے۔ وہ 1397ء میں تخت نشین ہوا اور 26 سال حکومت کرنے کے بعد 1421ء میں اس کا انتقال ہوا۔ کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ فارسی علم و ادب کے علاوہ دکنی سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی رباعیات اور غزلیں دستیاب ہو چکی ہیں۔ مذہبی طور پر نثر اور شاعری کی طرف توجہ دینے والے اہم بزرگوں میں حضرت بندہ نواز کے صاحبزادہ سید محمد اکبر حسینی کی شاعری کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے مثنوی کی طرز میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ نصیرالدین ہاشمی نے مولوی محمد عمر یافعی کے حوالے سے ان کی ایک نظم جو مثنوی کی روایت سے وابستہ ہے پیش کی ہے۔ جس کے اشعار اس طرح ہیں۔

دھر کر زبان کوں اپنی پہلے پیر سوں بیان پر
بولوں صفت خدا کی کر شکر میں زبان پر

بے خدا ہے صفت اس اس کو نہیں نہایت
کرنے کوں تس صفت تو نہیں مجھ زبان میں طاقت

بعد از ثنا خدا کی بھیجوں درود نبی پر
بھی آل پر نبی کے اسکے اصحاب میں سبھی پر

بعد اس کے نام لے کر قادر محی الدین کا
بولو میاں سنو یو حاصل مراد دیں کا

اس کے بعد مثنوی کی روایت کو فروغ دینے والے ایک اہم بزرگ حضرت صدرالدین کا ذکر ضروری ہے۔انہوں نے ہمیشہ تصوف کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی۔حضرت کی لکھی ہوئی کتاب ''کسب محویت''ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطات میں موجود ہے۔جس کا سن تصنیف آپ کی وفات کی تاریخ قرار دی گئی ہے۔مثنوی کی ہیئت میں حضرت صدرالدین نے کسب محویت کے علاوہ ایک اور رسالہ "رموزالکاسبین" تحریر کیا۔ڈاکٹر زور کے حوالے سے ان کی مثنوی کے چند اشعار پیش ہیں۔

کروں حمد و ثنا حق کا اول میں
بھی نعت مصطفٰے کا خوش نما میں

ہے وہ دریائے کبریا کا ظاہر
یہ ادراک دو عالم سوں ہے باہر

اگر روں روں مری لک لک زباں ہو
پھر ہریک زبان سوں لک لک بیاں ہو

ثنا کی بحر سوں تک ہندسہ سے
صفت کی کینہ کوں اناء پر سے

رسول پاک پر لک لک صلوۃ
بر اہل آل و اصحاباں سو تحیات

حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے حضرت عبداللہ حسینی بھی شعر و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے مریدین کی ہدایت کے لئے عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ''نشاط العشق'' کا دکنی میں ترجمہ فرمایا تھا اور اس کی شرح قلم بند کی تھی،جس کا نفیس مخطوطہ کتب خانہ ٹیپو

سلطان میں محفوظ ہے۔اس کا نسخہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے مزید صراحت مشکل ہے، تاہم یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ احمد شاہ ثانی بہمنی کے عہد 838ھ تا 862ھم 1434ء تا 1457ء کے دوران انہیں اپنے عہد کے مقبول امام کا درجہ حاصل تھا۔ بہمنی دور کے ایک اور شاعر کی حیثیت سے سلطان محمد شاہ بہمنی متوفی 1482ء کے دور کے ایک اور شاعر مشتاق کا تذکرہ بھی ضروری ہے، جس نے دکنی میں غزلیات اور قصائد لکھے۔اس شاعر کا ذکر بہمنی دور کے قصائد کے شعراء اور غزل گو شعراء میں کیا جائے گا۔اسی طرح مشتاق کے ہم عصر شاعروں میں لطفی بھی مشہور شاعر گذرا جس کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، لیکن وہ بہمنی دور کے مشہور قصیدہ گو شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ بہمنی دور کے ایک اور اہم شاعر کی حیثیت سے حضرت میراں جی شمس العشاق کے کارناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دکن کے صوفیہ کرام میں حضرت نے مقامی بولی کے توسط سے انسانوں کی ہدایت کا کارنامہ انجام دیا۔ حضرت کی متعدد تصانیف میں بشارت الذکر، مغز مرغوب، خوش نامہ، خوش نغز اور شرح مرغوب القلوب اہمیت کے حامل ہیں۔ ابتدائی چار کتابیں شاعری میں اور آخری کتاب نثر سے متعلق ہے۔ نظم کی دونوں کتابوں میں تصوف کے رموز نکات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کتابوں کے قلمی نسخے انجمن ترقی اردو اور کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہیں۔ مثنوی کے انداز میں لکھی ہوئی، ان کی شاعری کے نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔ حضرت کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں، البتہ خواجہ کمال الدین بیابانی کے مرید و خلیفہ اور 25 شوال 902ھم 1496ء آپ کی رحلت کا ثبوت ملتا ہے۔ شاہ حسین ذوقی نے ''شمس العشاق'' سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ حضرت کی مثنویوں میں متصوفانہ رنگ نمایاں ہے۔ خوش نغز سے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

شریعت کن بوجھے پورا طریقت کچ کرے
حقیقت وہ نیچا دیکھے معرفت سوں تھرے

سوتی سو کرے کرے سو دیکھے دیکھے تو کچھ بھوک
ست کر کا کریا ہوئے پورا نہیں تو دونا روک

خفی اس جوا کہیں خفی یوں اسے

جہاں آپ فانی نہ دے کر کے

اچارن سید موک موہن سو جان
دیکھن ہار اندھا نہ سن نے پیں کان

ابول بول بولی تو پولن پہنائی
یہی بن بو بولیں تو رہیا نجائی

دکن کے اکثر محققین نے آذری کو بھی دکنی کا شاعر قرار دیا ہے، جبکہ بہمنی دور میں اس نے فارسی شاعری اور قصائد لکھ کر بہمنی سلطنت کی تاریخ کو منظوم کیا اور بادشاہ وقت نے اسے ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا، اس لئے آذری کا دکنی مثنوی نگار شعراء کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ غرض مثنوی نگاری کو بہمنی سلطنت میں فروغ دینے والے شاعروں کی حیثیت سے حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال حسینی، حضرت زین الدین داؤد شیرازی، حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز، حضرت سید محمد اکبر حسینی، نظامی، حضرت صدرالدین، حضرت عبداللہ حسینی، مشتاق اور لطفی کے علاوہ شاہ میراں جی شمس العشاق ایسے دکنی شعراء ہیں جنہوں نے مثنوی نگاری کے توسط سے اپنے شعری کارناموں کو اردو دنیا کے روبرو پیش کیا۔

9.1.1 ۔بہمنی دور کی مثنویوں کی زبان:۔

بہمنی دور میں لکھی گئی دکنی مثنویوں میں موجود زبان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی زبان حد درجہ پیچیدہ اور نا قابل ادائیگی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر مثنوی نگار نے اردو زبان کے مزاج سے بالکل مختلف یعنی سنسکرت کے الفاظ کو دکنی تلفظ کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اردو زبان کا مزاج عربی اور فارسی زبان کی لفظیات کو ادا کرنے اور ان کو سمجھنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے، تاہم بہمنی دور تک مسلمانوں کی عربی اور فارسی زبانوں میں مقامی زبانوں کے الفاظ کا استعمال عام ہو گیا تھا۔ سارے علاقے کی اکثریت سنسکرت اور بھاشا کی لفظیات سے وابستہ تھی۔ ایک جانب تو سنسکرت کی پانچ شاخیں یعنی شورسینی، ماگدھی، اردماگدھی، پشاچی اور مہاراشٹری کے اثرات دکن کے مختلف علاقوں پر مرتب ہوئے، اس کے علاوہ دراوڑی زبانوں کے اثرات کو بھی بہمنی دور کی دکنی شاعری نے قبول کیا۔ اس دور میں مسلمانوں کے لئے بھاشا کا جاننا

دشوار نہیں تھا، کیونکہ معاشرے میں بیشتر افراد یا تو سنسکرت زبانوں کے الفاظ سے وابستہ تھے یا پھر دراوڑی زبانوں کے الفاظ کے استعمال پر توجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہمنی دور کی مثنویوں یا شاعری کے علاوہ نثر میں استعمال ہونے والی زبان میں عربی و فارسی الفاظ کی نشو و نما بہت کم رہی کیونکہ سارے دکن کے علاقے میں مسلم طبقے کو اقلیت کا درجہ حاصل تھا۔ بہمنی سلاطین کے درباروں میں فارسی کا چلن عام تھا، جبکہ صوفیہ کرام، بزرگان دین کے علاوہ عوام سے رابطہ کرنے والے شاعروں اور ادیبوں نے یہ ضروری سمجھا کہ مقامی باشندوں کی پذیرائی کے لئے عربی، فارسی زبانوں کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے سنسکرت اور دراوڑی زبانوں کے الفاظ کے استعمال پر توجہ دی جائے۔ چنانچہ بہمنی دور کی مثنویوں میں دکن کے علاقے میں فروغ پانے والی سنسکرت زبان یعنی مرہٹی کے اثرات نمایاں ہیں۔ دکنی مثنویوں میں مرہٹی کے علامت چ تاکیدی کا استعمال اور مثبت مرحلے کے لئے ہو کا استعمال بھی مرہٹی زبان سے وابستگی رکھتا ہے۔ بہمنی سلاطین کے دور میں مرہٹی کے علاقوں کے علاوہ تلگو پر اور کنڑی کے علاقوں پر بھی بہمنی سلاطین کی حکمرانی تھی۔ چنانچہ بیدر، گلبرگہ، بیجاپور کے علاقوں میں دراوڑی زبان کنڑی کا چلن عام تھا جبکہ تلنگانہ کے مختلف علاقے جیسے گولکنڈہ، ورنگل اور دوسرے علاقوں میں دراوڑی زبان تلگو کا رواج تھا۔ اس لئے بہمنی دور کے سلاطین کی نمائندگی کرتے ہوئے دکنی شاعروں نے جب کلام لکھا تو اپنے کلام میں دراوڑی زبان جیسے کنڑی اور تلگو کے اثرات کو بطور خاص شامل کیا اور مرہٹی جیسی سنسکرت زبان کے اثرات بھی دکنی پر مرتب ہوئے۔ اس طرح بہمنی دور کی مثنویوں میں استعمال ہونے والی لفظیات اور ان کی ادائیگی اس لئے دشوار نظر آتی ہے کیونکہ آج کی اردو میں اگرچہ سنسکرت لفظیات کا چلن کسی قدر رد و بدل کے ساتھ جاری ہے لیکن دراوڑی زبانوں کے الفاظ کا چلن دن بہ دن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے بہمنی دور کی دکنی مثنویوں کا رسم الخط اردو یعنی نستعلیق میں موجود ہونے کے باوجود دراوڑی زبانوں کے الفاظ کی ادائیگی سخت دشوار ہے۔ اس دور تک اردو کا املا لکھنے کے دوران دوچشمی ھ کا چلن عام نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ک اور گ سے لئے دو مرکز کے استعمال کی خصوصیت عام نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی واو کا استعمال پیش کے ذریعہ ممکن تھا جس کی وجہ سے لفظیات کو ادا کرنا سخت دشوار تھا جس کی مثالیں یوں دی جاسکتی ہیں کہ دوچشمی ھ کا استعمال نہ ہونے کی وجہ سے مکہ، جگہ اور سکہ بہمنی دور میں بغیر دوچشمی ھ کے لکھا جاتا تھا جو درحقیقت پہلا لفظ مکہ نہیں بلکہ مکھ یعنی چہرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جگہ آج کے دور میں جگھ یعنی دنیا کے معنوں میں اور سکہ موجودہ دور کے سکھ لفظیات کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظی تفریق سے عدم واقفیت کی وجہ سے دکنی لفظیات کا مطالعہ سخت دشوار ہے۔ دکنی میں اگر سرک لکھا ہو تو یہ لفظ سورگ یعنی جنت کے معنی میں استعمال ہوگا، کیونکہ اس دور میں واو کے بجائے پیش کا استعمال اور گ کے بجائے ک کا استعمال ہوتا تھا۔ املا کی تبدیلی کی وجہ سے بھی دکنی الفاظ کا مطالعہ دشوار گزار ہے۔ دکنی مثنویوں میں استعمال ہونے والی زبان میں اسی انداز کی کارفرمائی ہونے

کی وجہ سے 600 سال سے لے کر 400 سال قبل لکھی جانے والی دکنی زبان کی شاعری کو آج کے دور میں پڑھنا اور ادا کرنے کے علاوہ اسے سمجھنا سخت دشوار ہے۔ غرض دکنی مثنویوں کی زبان اگرچہ اردو ہے اور اس کے لکھنے کا انداز نستعلیق ہے لیکن قدیم املا سے عدم واقفیت اور مثنویوں میں سنسکرت، آریائی اور دراوڑی الفاظ کے استعمال سے اس کی زبان کو پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری درپیش ہے۔

9.1.2۔ بہمنی دور کی مثنویوں کا انداز:۔

بہمنی دور میں مثنوی کی صنف کو اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے دکنی شاعروں نے متصوفانہ اور اخلاقی مثنویاں ہی نہیں، بلکہ عارفانہ اور داستانوی مثنویوں کے علاوہ اساطیری مثنویاں بھی لکھیں۔ مثنوی لکھنے کی شعری صنف اور اس کے اوزان اور بحر کے استعمال کے معاملے میں بہمنی دور کے دکنی شعراء نے فارسی صنف کا بھرپور استعمال کیا، لیکن مثنویوں کا انداز یکساں نہیں ہے۔ ہر مثنوی نگار نے فارسی مثنوی لکھنے کے انداز کے طریقے کو اختیار نہیں کیا۔ فارسی میں طویل مثنویاں زائد لکھی گئیں، جبکہ دکنی میں مختصر مثنویوں کا چلن عام ہے۔ فارسی کے شاعروں نے مثنوی لکھنے کے لئے آٹھ اجزاء کا تعین کیا تھا، جس کے تحت مثنوی کے آغاز سے پہلے حمد و نعت اور مناجات کے بعد جس دور میں مثنوی لکھی جارہی ہے، اس دور کے بادشاہ کی تعریف اور مثنوی نگار شاعر کے پیرومرشد کی تعریف کو بھی مثنوی میں شامل کیا جاتا تھا، اور پھر قصہ کے توسط سے مثنوی شروع کی جاتی تھی۔ مثنوی نگاری میں ابتدائی چار حصوں کا ذکر صرف فخر دین نظامی بیدری کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں موجود ہے۔ اس کے بعد حضرت زین الدین داؤد شیرازی، حضرت میراں جی شمس العشاق اور شاہ صدرالدین کی مثنویاں "نرلک نامہ"، خوش نغز اور کسب محویت میں مثنوی کا وہ صنفی انداز دکھائی نہیں دیتا، جو فارسی مثنوی کی صنف کی خصوصیت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہمنی دور کے دکنی مثنوی نگاروں نے طویل مثنویاں لکھتے وقت فارسی صنف مثنوی کے اجزاء کی تعمیل کی لیکن مختصر مثنویوں کے دوران حمد و مناجات اور شاہ وقت کی تعریف کے علاوہ پیرومرشد کی تعریف کے چاروں اجزاء سے گریز برتا گیا ہے۔ اس طرح بہمنی دور کی دکنی مثنویوں کے انداز میں طویل مثنویوں میں فن کے اعتبار سے فارسی مثنوی کی نمائندگی ہوتی ہے، جبکہ مختصر مثنویوں میں آٹھ اجزاء ترکیبی کے بجائے چار اجزاء ترکیبی کا رواج دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح دکن میں بہمنی سلاطین کے دور میں لکھی جانے والی دکنی مثنویوں کا انداز کچھ حد تک روایتی ہے اور کچھ حد تک روایت سے اجتناب برتنے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن کے علاقے میں جس طرح بہمنی دور کو آپسی اتحاد اور دو قوموں میں بھائی چارگی کو فروغ دینے کا موقف

حاصل ہے، اسی طرح اردو دنیا کی تاریخ میں بہمنی دور کو اس لئے اہم مرتبہ حاصل ہے کہ اسی دور سے اردو کے ابتدائی تحریری نقوش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بہمنی سلاطین نے رواداری کا سلوک برقرار رکھتے ہوئے مقامی باشندوں اور مسلمانوں میں آپسی اتحاد پیدا کیا، تو اس کے ساتھ ہی دونوں قوموں کے میل ملاپ سے پیدا ہونے والی نئی زبان یعنی دکنی کی سرپرستی بھی انجام دی۔ بہمنی سلاطین کی حکمرانی دکن کے تین مختلف زبانوں کے خطوں پر تھی جس کے تحت مرہٹی، کنڑی اور تلگو کے علاقوں پر زائد از 200 سال تک بہمنی سلاطین نے حکمرانی کی۔ اس دور میں دکنی شاعری اور نثر نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔ غزل مثنوی، قصیدہ، رباعی اور مرثیے کے علاوہ دوسری شعری اصناف میں اظہار خیال کیا گیا۔ سب سے مقبول ترین شعری صنف مثنوی رہی۔ جس کو اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے دکنی شاعروں نے اخلاقی مثنویوں کے علاوہ داستانوی اور اساطیری مثنویاں اور اس کے ساتھ ہی متصوفانہ مثنویوں کے ذریعہ شعر گوئی کا حق ادا کیا۔ سب سے پہلے اخلاقی مثنویاں لکھنے والے دو اہم شعراء حضرت سید یوسف شاہ راجو قتال حسینی اور حضرت زین الدین داؤد شیرازی نے اخلاقی مثنویاں سہاگن نامہ اور نزلک نامہ کی بنیاد رکھی، جو 1331ء اور 1369ء کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جس کے بعد حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز متوفی 1421ء کی اخلاقی اور متصوفانہ مثنویوں کے علاوہ لوری نامے، چکی نامے، چرخہ نامہ اور ڈھولک کے گیت ان سے منسوب ہیں۔ حضرت بندہ نواز نے غزلیں دوہرے، حقیقت اور سماع کے لئے مثنویاں بھی لکھیں۔ ان کی مثنوی ''گفتار سید محمد حسینی'' کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے صوفیانہ مسلک اختیار کرتے ہوئے مثنوی کے انداز میں نظم لکھنے کی روایت کا آغاز کیا ہے جس پر دکنی انداز نمایاں ہے۔ اس دور کے سب سے بڑے مثنوی نگار کی حیثیت سے فخر دین نظامی بیدری کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جو اساطیری مثنوی ہونے کے علاوہ 1425ء اور 1435ء کے دوران لکھی گئی۔ اس دور کے ایک اہم بزرگ حضرت صدر الدین کی مثنوی ''کسب محویت'' میں موجود متصوفانہ مثنوی کے انداز کی مثنوی 1482ء میں محمد شاہ بہمنی کے دور کا شاعر مشتاق گذرا ہے جس نے غزل اور قصیدے لکھے، اسی طرح مشتاق کا ہم عصر شاعر لطفی کے قصیدے اور مثنویاں دستیاب ہیں۔ اس دور کے اہم پیر و مرشد شاہ میراں جی شمس العشاق کی مثنویاں ''خوش نامہ'' اور ''خوش نغز'' متصوفانہ مزاج کی نمائندگی کرتی ہیں۔ میراں جی شمس العشاق کی تاریخ وفات 1496ء بتائی جاتی ہے۔ غرض دکن میں بہمنی سلاطین کے دور سے ہی دکنی شاعری اور نثر نگاری کا آغاز ہوا اور دکنی شاعروں نے ہر صنف شاعری پر توجہ دیتے ہوئے سب سے زیادہ مثنویاں لکھیں اور ان کے ادبی کارناموں میں نثر نگاری کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

9.2۔عادل شاہی دور میں دکنی مثنوی:۔

بیجاپور کو دارالسلطنت بنا کر اقتدار سنبھالنے والے 9 بادشاہوں نے عادل شاہی سلطنت کو فروغ دیتے ہوئے اپنے دور میں دکنی شاعری کی سرپرستی کا حق بھی ادا کیا۔ اگر چہ عادل شاہی دور میں تمام شعری اصناف فارسی زبان سے مستعار لی گئیں، لیکن اس دور کی ادبی شناخت کی حیثیت سے مثنوی کی صنف کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس دور میں عشقیہ اور داستانوی مثنویوں کا رواج عام رہا۔ اس دور میں عام مقبولیت طویل مثنویوں کو حاصل ہوئی جو ہزار ہا اشعار پر مشتمل ہوتی تھیں۔ عادل شاہی دور میں مختصر مثنویوں کا چلن بہت کم رہا۔ اس دور کے شاعروں نے مثنوی نگاری کو فارسی کی صنف کے طرز پر استعمال کیا۔ ہر شاعر کی مثنوی میں اسلوب یکساں انداز کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہر طویل مثنوی میں آٹھ اجزائے ترکیبی کے استعمال پر توجہ دی گئی، جس میں حمد و نعت کے بعد مناجات اور پھر تعریف شاہ اور تعریف پیر کے بعد آغاز قصہ کے بعد عروج کشمکش اور انجام کے بعد نتیجہ کو منظر عام پر لا یا جاتا ہے۔ عادل شاہی مثنویوں میں قصہ گوئی کا روایتی انداز نمایاں ہے۔ اس دور کے شعراء نے حسن و عشق کے قصوں کے لئے مرد و خواتین کے کردار میں حسن و عشق کے تمام جلوؤں کو نمایاں کر دیا۔ اس کے علاوہ جادوئی کردار، مافوق الفطرت عناصر اور محیر العقول واقعات کے علاوہ مثالی کردار بھی مثنویوں کے قصوں کا حصہ بنتے گئے۔ ذیلی اور ثانوی کردار کا چلن عام طور پر شہزادے یا شہزادی کے دوست یا سہیلی کے انداز سے نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مخالف کردار بھی مثنویوں کے قصوں میں موجود ہیں۔ عادل شاہی دور کی خوبی یہی ہے کہ اس دور کے شاعروں نے بزمیہ مثنوی کے علاوہ رزمیہ مثنوی کی طرف بھی توجہ دی۔ اس دور کی لکھی ہوئی نصرتی کی علی نامہ اور رستمی کی لکھی ہوئی مثنوی ''خاور نامہ'' کو اردو کی کامیاب رزمیہ مثنویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شعری انداز میں حسن و عشق کے واقعے کو بیان کرنے کے معاملے میں خیالی قصوں کے علاوہ قرآنی قصوں، عربستان کی سرزمین اور ایران کی سرزمین کے عشقیہ قصوں کے علاوہ ہندوستان کی سرزمین کے قصوں کو بھی مثنویوں میں شامل کیا گیا ہے۔ مثنوی کی صنف کیونکہ بیانیہ انداز کی نشاندہی کرتی ہے لیکن عادل شاہی دور میں لکھی ہوئی رزمیہ اور بزمیہ مثنویوں میں حسن و عشق کے قصوں کی یکسانیت محسوس کی جاسکتی ہے۔ کوئی بھی مثنوی انفرادیت کی دلیل پیش نہیں کرتی۔ صرف ابراہیم عادل شاہ ثانی کی لکھی ہوئی مثنوی ''نورس نامہ'' کی یہ انفرادیت ہے کہ شاعر نے موسیقی کے تال و سر کو مثنوی کے روپ میں پیش کیا اور اس دور کے شاعر عبدل نے ابراہیم نامہ مثنوی کے ذریعہ بادشاہ وقت ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مدح لکھ کر مثنوی میں قصیدے کے انداز کو شامل کیا ہے۔ اس طرح عادل شاہی دور کی

دکنی مثنویوں میں موسیقی کے تال وسر کو مثنوی کے انداز میں پیش کرنے اور قصیدے کی خصوصیات کو مثنوی میں پیش کرنے کی مثالیں ملتی ہیں۔

دکنی ادبیات میں عادل شاہی دور کو اس وجہ سے امتیازی مقام حاصل ہے کہ اس دور کے بادشاہوں نے بیجاپور کو پائے تخت بنا کر حکمرانی کی۔ عادل شاہی دور کا آغاز 1518ء میں یوسف عادل شاہ کی حکمرانی سے ہوتا ہے۔ اس سلطنت کے نو بادشاہوں کی حکمرانی جاری رہی۔ اس دور سے وابستہ شاعروں کی فہرست کافی طویل ہے، جنہوں نے شاعری کی تمام شعری اصناف پر توجہ دی لیکن بیشتر شاعروں نے مثنوی نگاری سے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ عادل شاہی دور میں طویل اور مختصر مثنویاں لکھی گئیں۔ بیشتر مثنویوں میں حسن وعشق کا انداز نمایاں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی عادل شاہی مثنویوں میں تہذیب واخلاق کی نمائندگی بھی ملتی ہے۔ عادل شاہی شاعروں میں مقیمی نے عشقیہ مثنوی ''چندر بدن و ماہیار'' لکھی، جبکہ امین نے ''بہرام وگل اندام'' مثنوی پیش کی۔ صنعتی کی ''قصہ بے نظیر'' اور ملک خوشنود کی ''بازار حسن'' اور نصرتی کی ''گلشن عشق'' ہی نہیں بلکہ ہاشمی کی ''یوسف زلیخا'' کو عشقیہ مثنویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ عادل شاہی دور کی خوبی یہی ہے کہ اس دور سے وابستہ شاعروں نے مثنوی کو حسن وعشق اور تہذیب واخلاق سے وابستہ رکھتے ہوئے اس صنف کی عمدہ خصوصیت کو فارسی سے دکنی میں منتقل کیا۔ چنانچہ تین بڑے شعرا نے عادل شاہی دور میں دکنی مثنوی کو رزمیہ مثنوی کا امتیاز بخشا۔ جنگ کا احوال اور میدان جنگ کی خصوصیات کو شاعری میں بیان کرنا رزمیہ مثنوی کی دلیل ہے۔ سب سے پہلے شوقی نے فتح نامہ نظام شاہ اور پھر رستمی نے خاور نامہ اور نصرتی نے علی نامہ لکھ کر اردو میں رزمیہ مثنویوں کی روایت کی بنیاد رکھی۔ عادل شاہی مثنویوں میں دکنی انداز غالب ہے، لیکن مثنویوں میں مذہب کا عنصر نمایاں ہے۔ اس دور میں لکھی جانے والی برہان الدین جانم کی مثنویاں اور صنعتی وملک خوشنود کی مثنویاں ہی نہیں، بلکہ شاہ امین اور امین الدین اعلیٰ کے علاوہ ایاغی، شغلی اور علی کی مثنویوں میں اسلامی شعار کا انداز نمایاں ہے۔ مرتضی، مختار، قدرتی، مومن، قادر، شاہ امین اور معظم نے بھی مذہبی انداز کی مثنویاں لکھیں۔ عادل شاہی دور کا امتیاز یہی ہے کہ اس دور میں مثنوی کی صنف کو قصیدے کی روایت سے وابستہ کر کے عبدل جیسے شاعر نے ''ابراہیم نامہ'' مثنوی لکھی، جس میں ابراہیم عادل شاہ کی مدح موجود ہے، اسی طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی مثنوی ''نورس نامہ'' کے ذریعہ موسیقی کی راگ راگنیوں کو شاعری میں بیان کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عادل شاہی دور میں عشقیہ اور متصوفانہ مثنویوں کے علاوہ اخلاقی اور تہذیبی مثنویاں ہی نہیں لکھی گئیں، بلکہ راگ راگنیوں اور قصیدے کے عناصر کو بھی مثنوی کی صنف میں پیش کیا گیا۔ اس طرح عادل شاہی دور کی مثنویوں کو دوسرے ادوار کی مثنویوں سے زیادہ امتیازی مقام ومرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

9.3۔قطب شاہی دور کی دکنی مثنویاں:۔

دکنی شاعری میں فارسی کی متعدد شعری اصناف کو اختیار کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔قطب شاہی دور کے شاعروں نے دوسری شعری اصناف کے مقابلے میں مثنوی کی صنف کو بڑی اہمیت دی۔اگر چہ آٹھ قطب شاہی بادشاہوں کی حکمرانی کے دور میں اسلامیات، روحانیات اور تصوف کی ترقی کے ساتھ ساتھ مقامی باشندوں سے مسلمانوں کے ربط وضبط میں حد درجہ اضافہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی فن تعمیر، خوشنویسی، طغرہ نویسی، خطاطی، مصوری، موسیقی اور ناچ گانے کو بھی شہرت حاصل ہوئی۔قطب شاہی دور کے ابتدائی شاعر سے لے کر ابراہیم قلی قطب شاہ کے دور تک فارسی میں ادب لکھنے کی روایت عام تھی، لیکن سلطان قلی قطب شاہ کے دور سے فارسی کے بجائے دکنی میں شاعری کا آغاز ہوا، قطب شاہی دور کے تین بادشاہ بذات خود شاعر تھے۔اس دور کی عشقیہ مثنویوں میں طبع زاد مثنوی ملاوجہی کی ''قطب مشتری'' ہے جو 1609ء میں مشتری اور قطب کے عشق کی نمائندگی کرتی ہے۔غواصی کی مثنوی سیف الملوک وبدیع الجمال 1625ء میں مرتب ہوئی۔غواصی کی عشقیہ مثنوی ''طوطی نامہ'' 1639ء کی یادگار ہے۔اس دور میں حکایتی مثنویاں بھی لکھی گئیں، قطب شاہی دور کے دوشعراء احمد اور عاجز نے قصہ ''لیلیٰ مجنوں'' کو منظوم کیا۔ابن نشاطی کی لکھی ہوئی مثنوی ''پھول بن'' 1635ء کی یادگار ہے۔روایتی عشق کی داستاں پیش کرنے میں طبعی کی مثنوی ''بہرام وگل اندام'' اور غلام علی کی مثنوی ''پدماوت'' کو دکنی میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔اس کے علاوہ قطب شاہی دور میں ترجمہ شدہ مثنویاں بھی پیش کی گئیں۔قطب شاہی دور کی مثنویوں کا یہ اعزاز ہے کہ اس دور کے دکنی شاعروں نے فارسی کی صنف مثنوی کو دکنی میں فروغ دیا تو فارسی مثنوی کے آٹھ اجزاء کی پیروی نہیں کی، البتہ قطب شاہی دور کی مثنویوں میں مدح پیر اور مدح شاہ کا انداز نمایاں ہے۔قطب شاہی دور کی مثنویوں کی شعری زبان سادہ اور روانی سے وابستہ ہے۔اس میں پیچیدہ الفاظ سے احتیاط برتی گئی ہے، البتہ متروک الفاظ دکنی زبان کا حصہ ہیں، تاہم بہمنی دور کے مثنوی نگار شعراء نے فارسی اور عربی زبان کے الفاظ اور تشبیہات کو دکنی زبان میں استعمال کیا۔اس دور کی عادل شاہی شاعری کے مقابلے میں قطب شاہی دور کی شاعری کے مطالعے سے اس کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔اگر چہ مثنوی نگاری کے ذریعہ قطب شاہی دور کے شاعروں نے یہ کوشش ضرور کی کہ دکنی زبان میں متروک الفاظ استعمال نہ کئے جائیں تاکہ دکنی کی انفرادیت کو برقرار رکھا جائے اس طرح دکنی دور میں قطب شاہی بادشاہوں نے مثنوی نگاری کی صنف پر توجہ دیتے ہوئے آزاد ترجمے اور طبع زاد مثنویوں کے علاوہ فارسی کی مثنوی کی خصوصیت کو اہمیت دینے کے بجائے ایسا علیحدہ طریقہ اختیار

کیا، اس لئے قطب شاہی دور کی مثنوی نگاری کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے پیچیدہ تراکیب کی کمی اور تفہیم وترسیل کی نمائندگی کرنے والی زبان کو اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اس لئے قطب شاہی دور کی دکنی مثنویوں کو اپنے عہد کی رواں زبان استعمال کرنے کا امتیاز حاصل ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے دکن میں مثنوی کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 9.8 حصہ سے رجوع کریں۔

۱۔شاہ میراں جی شمس العشاق اپنے وقت کے زبردست صوفی تھے۔ان کی ایک طویل مثنوی ہے جس کا نام ہے۔

(الف) قصص الانبیاء (ب) خزائن رحمت (ج) روضۃ الشہدا (د) شہادت التحقیق

۲۔ ''شاہ برہان الدین جانم ج مثنوی کے شاعر ہیں شاہ میراں جی سے ان کا کیا رشتہ ہے؟

(الف) استادوشاگرد (ب) شاگردواستاد (ج) بیٹے اور باپ (د) مرید وپیر

۳۔ نصرتی نے ایک مثنوی لکھی ہے جیس میں کنور منہور اور مد مالتی کا قصہ نظم کیا ہے وہ مثنوی ہے۔

(الف) تاریخ اسکندری (ج) من لگن (ب) گلشن عشق (د) خزائن رحمت

۴۔علی عادل شاہ نے کس کو ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا؟

(الف) غواصی (ب) نصرتی (ج) قدرتی (د) طبعی

9.4 ۔عمومی جائزہ:۔

دکن میں سب سے مقبول صنف مثنوی رہی ہے۔دکنی شاعروں نے مثنوی کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔دکنی شعراء نے اخلاقی مثنویوں کے علاوہ داستانوی اور اساطیری مثنویوں کے ساتھ ہی تصوفانہ مثنوی بھی لکھی۔بہمنی دور میں اخلاقی مثنویاں لکھنے والے دو اہم شعراء یوسف شاہ راجو قتال

حسینی اورزین الدین داؤدشیرازی نے اخلاقی مثنویاں ''سہاگن نامہ'' اور ''نرلک نامہ'' کی بنیاد رکھی ۔بندہ نواز گیسودراز نے اخلاقی مثنویوں کے علاوہ لوری نامے، چکی نامے، چرخہ نامہ اور ڈھولک کے گیت بھی لکھے۔بہمنی دور کے سب سے بڑے مثنوی نگار کی حیثیت سے فخرالدین نظامی بیدری کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کی شہرت سب سے زیادہ ہے۔داستانوی اور اساطیری مثنوی میں کدم راؤ پدم راؤ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اس مثنوی میں بادشاہ کا کردار کدم راؤ اور وزیر کا کردار پدم راؤ ہے۔قصہ کہانی پر مبنی روحوں کو جسموں میں تبدیلی کے قصے کو لے کر اس مثنوی کا انجام طربیہ بنایا گیا ہے۔جس میں بادشاہ کے جسم میں اپنی روح کو منتقل کر کے بادشاہ بننے کا خواب دیکھنے والے اگھور ناتھ کا خاتمہ اور بادشاہ کی فتح پر اس مثنوی کا اختتام ہوتا ہے۔بادشاہ طوطے کے روپ میں پریشان پھرتا ہے اس کا وزیر پدم راؤ جو ناگ ہے بادشاہ کی مدد کرتا ہے۔اس طرح اگھور ناتھ کی بددیانتی کا پردہ فاش ہوتا ہے۔اس مثنوی میں دکنی محاورے،تشبیہات،استعارے اور فن کا رچاؤ پوری طرح جلوہ گر نظر آتا ہے۔اس مثنوی کو اردو کی سب سے پہلی داستانوی یا اساطیری مثنوی کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔داستانوی کرداروں میں انسانون کے علاہ جانور اور جن پری اور راکھشس بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔جبکہ اساطیری مثنوی میں دیومالائی قصے اور عجیب وغریب مخلوقات کے علاوہ انسانوں اور جانوروں کو کردار کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔''کدم راؤ پدم راؤ'' مثنوی میں بادشاہ کدم راؤ انسان ہے جبکہ اس کا وزیر پدم راؤ ناگ سانپ کی حیثیت سے وزارت کے فرائض انجام دیتا ہے۔انسان کے ساتھ جانوروں کی خصوصیات کو شامل کیا جائے تو ایسی شاعری کو داستانوی مثنوی نہیں بلکہ اساطیری مثنوی کا درجہ دیا جائے گا۔

عادل شاہی دور میں بھی طویل اور مختصر مثنویاں لکھی گئیں ۔ بیشتر مثنویوں میں حسن وعشق کا انداز نمایاں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی عادل شاہی مثنویوں میں تہذیب واخلاق کی نمائندگی بھی ملتی ہے ۔عادل شاہی شاعروں میں مقیمی نے عشقیہ مثنوی ''چندر بدن و ماہیار'' لکھی جبکہ امین نے ''بہرام وگل اندام'' مثنوی لکھی۔صنعتی کی ''قصہ بے نظیر'' اور ملک خوشنود کی ''بازار حسن'' اور نصرتی کی ''گلشن عشق'' ہی نہیں بلکہ ہاشمی کی ''یوسف زلیخا'' کو عشقیہ مثنویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔عادل شاہی دور کی خوبی یہی ہے کہ اس دور سے وابستہ شاعروں نے مثنوی کو حسن وعشق اور تہذیب و اخلاق سے وابستہ کیا۔

عادل شاہی دور میں تین بڑے شعراء نے دکنی مثنوی کو ''رزمیہ مثنوی'' کا امتیاز بخشا جنگ کا احوال اور میدان جنگ کی خصوصیات کو

شاعری میں بیان کرنا رزمیہ مثنوی کی دلیل ہے۔سب سے پہلے شوقی نے ''فتح نامہ نظام شاہ'' اور پھر رستمی نے خاور نامہ لکھ کر اردو میں رزمیہ مثنویوں کی بنیاد رکھی ۔اس دور میں لکھی جانے والی برہان الدین جانم کی مثنویاں اور صنعتی و ملک خشنود کی مثنویاں ہی نہیں بلکہ شاہ امین اور امین الدین اعلی کی مثنویوں میں مذہبی انداز نمایاں ہے۔عبدل نے ''ابراہیم نامہ'' مثنوی لکھی جس میں ابراہیم عادل شاہ کی مدح موجود ہے۔اسی طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی مثنوی ''نورس نامہ'' کے ذریعہ موسیقی کی راگ راگنیوں کو شاعری میں بیان کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عادل شاہی دور میں عشقیہ اور صوفیانہ مثنویوں کے علاوہ اخلاقی اور تہذیبی مثنویاں لکھی گئیں۔

قطب شاہی دور میں کئی قسم کی مثنویاں لکھی گئیں ۔ مذہبی ،اخلاقی اور تصوف سے وابستہ مثنوی لکھنے میں صوفیہ کرام اور بزرگان دین کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔فیروز بیدری نے ''پرت نامہ'' مثنوی لکھی۔اس دور کی عشقیہ مثنویوں میں طبع زاد مثنوی ملا وجہی کی قطب مشتری (۱۶۰۹ء) میں مشتری اور قطب کے عشق کی نمائندگی کرتی ہے ۔غواصی کی مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال (۱۶۲۵ء) طوطی نامہ (۱۶۳۹ء) اور مینا ستونتی مشہور ہیں۔اس دور میں حکایتی مثنویاں بھی لکھی گئیں ۔قطب شاہی دور کے دو شعراء احمد اور عاجز نے قصہ لیلیٰ مجنوں کو منظوم کیا۔ابن نشاطی کی مثنوی ''پھول بن'' (۱۶۳۵ء) بھی اہم ہے۔طبعی کی مثنوی ''بہرام وگل اندام'' اور غلام علی کی مثنوی ''پدماوت'' کو دکنی میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہے ۔

9.4.1۔دکن کی چند اہم مثنویوں کا جائزہ:۔

اردو زبان وادب کے آغاز وارتقاء میں دکن کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔دکن کے ادیب وشاعر نے ترجمے اور تخلیقات کی مدد سے اردو ادب کے سرمائے میں نہ صرف قابل قدر اضافہ کیا ہے بلکہ نئی صنف کا آغاز بھی کیا ہے ملا وجہی کا ''سب رس'' اردو نثر کا پہلا ادبی کارنامہ مانا جاتا ہے۔لیکن دکنی ادب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے شعرا نے مثنوی کا نہ صرف آغاز کیا بلکہ اسے بہت فروغ دیا ہے۔ کم وبیش وہاں کے تمام شعراء نے صنف مثنوی میں طبع آزمائی کی ہے اس لحاظ سے دکنی شاعری کا بیشتر سرمایہ مثنوی کی شکل میں موجود ہیں۔دکن کی مشہور اور اہم مثنویوں میں ''قطب مشتری''، سیف الملوک وبدیع الجمال، طوطی نامہ، پھول بن، گلشن عشق اور کدم راؤ پدم راؤ وغیرہ شامل ہیں۔

''قطب مشتری'' وجہی کے کمال فن کا شاہکار اور اردو کی قدیم ترین مثنویوں میں سے ایک ہے۔ملا وجہی محمد قلی قطب شاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ فارسی میں بھی شاعری کرتا تھا۔اس نے طویل عمر پائی اور قطب شاہی خاندان کے چار بادشاہوں کا دور دیکھا۔وجہی سے کئی تصانیف یادگار ہیں۔''قطب مشتری'' (۱۶۰۹ء) زبان وبیان کے اعتبار سے زیادہ نکھری ہوئی اور جدید اسلوب کی روایت سے قریب تر نظر آتی

ہے۔ وجہی نے قطب مشتری میں سلطان قلی قطب شاہ اور بھاگ متی کے عشق کا قصہ رمزیہ انداز میں پیش کیا ہے اور دکن کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔اس کی اضافی خوبی اس کا دیباچہ ہے جس میں وجہی نے شاعری کے فن پر دلچسپ بحث کی ہے۔ اس دیباچے میں وجہی ایک خود پرست شاعر کے طور پر سامنے آتا ہے حتی کہ اپنے معاصرین تک کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے۔اس مثنوی سے محاکات کو پس منظر سے اجاگر کرنے کا دور شروع ہوتا ہے۔اگر چہ زبان پر قدامت پسندی حاوی ہے لیکن تخیل کی برانگیختگی الفاظ کے قالب میں ڈھل گئی ہے۔اس کی اثر افرینی مسلم ہے۔احتشام حسین نے''قطب مشتری کو بلند پایہ اور دلچسپ مثنوی کی حیثیت سے مطالعہ کا مستحق قرار دیا ہے۔'' قطب مشتری کی سب سے اہم خصوصیت روانی اور ربط ہے۔ایک شعر دوسرے میں اس طرح پیوست ہے جیسے ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں۔قطب مشتری نئی روایت ،مثنوی کی ہیئت، داستانوی مزاج ، نئے رنگ سخن اور شاعری کے اعتبار سے بھی قابل قدر تصنیف ہے۔اس مثنوی میں جذبات واحساسات کوخوبصورت تشبیہات اور موزوں الفاظ کے ذریعہ پیش کرنے کا عمل ملتا ہے۔

مثنوی قطب مشتری ہر اعتبار سے قدیم طرز کی ہے۔زبان وبیان کے علاوہ املا سے بھی اس کا پتہ چل جاتا ہے۔اس زمانے کے رسم کے مطابق فارسی نمونوں کی روشنی میں اس کی ابتدا 'حمد' سے ہوتی ہے۔بادشاہ وقت کی مدح کے بعد اصل قصے کا آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن وجہی نے پہلے دو باب''درصفت عشق گوید'' اور''درصفت شعر گوید'' کا اضافہ کیا ہے۔مثنوی قطب مشتری اس زمانے کی معاشرت اور تمدن پر بھی خاص روشنی ڈالتی ہے۔مختلف پیشوں، خواص وعوام کی زندگی، رہن سہن کے طور طریقے اور آداب معاشرت وغیرہ کے متعلق بے شمار معلومات فراہم کرتی ہے اور ہمیں آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں درباروں میں اکابر سلطنت کے علاوہ مختلف علوم وفنون کے ماہر بھی ہوا کرتے تھے۔نیز دربار عام اور دربار خاص کا رواج بھی تھا۔

مثنوی میں قصہ گوئی پر خاص توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے داستان گوئی میں وہ ناکام نظر آتے ہیں۔کردار نگاری میں بھی وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ مثنوی قطب مشتری میں کردار نگاری معمولی ہیں۔کرداروں کی کثرت اور تنوع کے باوجود ان کی شخصیت مناسب طریقے سے نہیں ابھاری گئیں۔لیکن جہاں تک شاعری کا تعلق ہے وجہی کی فنی پختگی اور جمالیاتی شعور سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ نفسیات انسانی اور فطرت کا پورا خیال رکھتا ہے۔اس کے یہاں موثر جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ مختلف مناظر کے کامیاب مرقع بھی ہیں۔وجہی کا کلام بہت سلیس اور صاف ہے البتہ زبان قدیم ہے اور وہ اس کی اپنی اور اپنے زمانے کی زبان ہے اسلیے ہمیں مشکل معلوم ہوتی ہے۔بعض

مقامات پر اس نے اپنے خیالات بڑی خوبی سے بیان کیے ہیں۔تشبیہ اور استعارے بھی بہت صاف اور دلچسپ نظر آتے ہیں۔مثنوی کے بیان میں موقع بہ موقع چند غزلیں بھی آگئی ہیں یہ غزلیں خود وجہی کی ہیں۔ان میں زبان اور خیال دونوں اعتبار سے ہندی کا پورا اثر پایا جاتا ہے۔زبان سادہ اور شیریں ہے۔الفاظ زیادہ تر ہندی کے ہیں اور بعض فارسی عربی الفاظ کو ہندی لب و لہجے میں ڈھال کر ہندی بنالیا ہے۔عاشق عورت ہے اور مرد معشوق یہ گویا اردو کی ابتدائی ترقی یافتہ صورت ہے۔

9.5۔فرہنگ

تنوع	رنگارنگی، جدت، مختلف نوعیت
قدامت	پرانا پن، قدیم ہونا، بہت پہلے کا
رزمیہ	جنگ یا لڑائی سے متعلق
دیوملائی	قدیم روایات و آساطیر پر مبنی قصے اور واقعات
اساطیری	روایتیں، کہانیاں، داستانیں

9.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ دکن میں مثنوی نگاری کی ابتدا کن تاریخی، سماجی اور ادبی حالات میں ہوئی؟ تفصیل سے بیان کریں اور اس کے ابتدائی نقوش کی وضاحت کریں۔

۲۔ دکن میں مثنوی کی ارتقائی صورت کا جائزہ لیں اور بیان کریں کہ مختلف ادوار میں اس صنف میں کس طرح تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

۳۔ دکنی مثنوی کی لسانی اور فنی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کریں۔زبان، اسلوب، بیان اور موضوعات کے حوالے سے وضاحت کریں۔

۴۔ دکن کے مثنوی نگاروں کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیں اور ان کے اہم کارناموں کو واضح کریں۔

۵۔ دکنی مثنوی کے موضوعات پر روشنی ڈالیں اور بیان کریں کہ ان میں عشقیہ، مذہبی اور اخلاقی عناصر کس طرح پیش کیے گئے ہیں۔

۶۔ دکن میں مثنوی نگاری پر مقامی زبانوں اور ثقافت کے اثرات کو مثالوں کے ساتھ بیان کریں۔

۷۔ دکنی مثنوی اور شمالی ہند کی مثنوی کے درمیان فرق کو تفصیل سے واضح کریں۔

۸۔ دکن میں مثنوی کے ابتدائی نمونوں کا تجزیہ کریں اور ان کی ادبی و فنی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

9.7۔ مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔دکن میں مثنوی کی ابتدائی روایت کن موضوعات اور فنی خصوصیات کے ساتھ سامنے آتی ہے؟

____

____

____

____

____

____

سوال۔۲:۔دکنی مثنوی کو اردو مثنوی کی روایت میں کیا امتیازی مقام حاصل ہے؟

____

____

____

____

____

9.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔دکن کی مثنوی میں عشقِ مجازی، داستانی عناصر اور تصوف کے موضوعات نمایاں ہیں۔اس میں سادہ زبان، مقامی رنگ اور بیانیہ انداز پایا جاتا ہے۔دکنی مثنوی نے قصہ گوئی کو اہم ادبی حیثیت دی۔

جواب۔۲:۔دکنی مثنوی اردو مثنوی کی اولین اور بنیادگزار شکل ہے۔اس میں مقامی تہذیب، معاشرت اور زبان کی جھلک ملتی ہے۔بعد کی اردو مثنویوں کے لیے دکنی مثنوی نے راستہ ہموار کیا۔

جواباتِ سرگرمی۔

۱ د

۲ ج

۳ ب

۴ ب

9.9۔امدادی کتب:۔

۱۔پروفیسر گیان چند جین	اردو مثنوی شمالی ہند میں
۲۔سید محمد عقیل رضوی	اردو مثنوی کا ارتقا
۳۔جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو
۴۔علی جواد زیدی	مثنوی نگاری
۵۔پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔۱۰: غزل (دکن)

ساخت:۔

10.0۔اغراض ومقاصد

10.1۔تعارف

10.2۔دکن میں اردو غزل

10.3۔عادل شاہی دور میں غزل

10.3.1۔قطب شاہی عہد کی غزل

10.4۔عمومی جائزہ

10.5۔فرہنگ

10.6۔نمونہ امتحانی سوالات

10.7۔مشقی سوالات

10.8۔جوابات سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

10.9۔امدادی کتب

10.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق ’’دکن میں غزل‘‘ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ غزل کی صنفِ ادب کی بنیادی خصوصیات، اس کی ہیئت اور

اسلوب کو واضح طور پر سمجھ سکیں، دکن میں غزل کے آغاز اور اس کے تدریجی ارتقا کے ساتھ ساتھ اس کے ادبی، تہذیبی اور لسانی پس منظر کا ادراک حاصل کر سکیں، دکنی شعرا کے کلام میں موجود سادگی، سلاست اور مقامی رنگ کو پہچان سکیں، اشعار کے مفہوم اور مشکل الفاظ و تراکیب کی تشریح کر سکیں، اور غزل کے فکری، جذباتی اور جمالیاتی پہلوؤں کو سمجھتے ہوئے اس کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے، نیز آپ میں زبان کی درست ادائیگی، فصاحت و بلاغت اور ادبی ذوق کو بہتر طور پر برتنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے گی۔

10.1۔تعارف:۔

بہمنی دور سے وابستہ دکنی شعراء کی تعداد بہت کم ہے لیکن دکنی شاعروں نے فارسی زبان اور اس کے انداز کی نمائندگی کرتے ہوئے شاعری اور نثر نگاری کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی، مرثیہ، شہادت نامے اور سکھ سہیلا کے علاوہ جکری جیسی شعری اصناف کو اس دور کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا۔ بہمنی دور میں مثنوی اور قصیدہ جیسی صنف کو ہی فروغ حاصل ہوا، لیکن اس دور کے شعراء نے با ضابطہ طور پر غزل کی صنف کی طرف بھی توجہ دی۔ اس دور تک غزل کے معنی ہی عورتوں سے باتیں کرنا یا پھر عورتوں کے حسن اور عشق و محبت کو شاعری میں پیش کرتا رہا ہے۔ بہمنی دور کے دکنی غزل گو شعراء نے غزل کی ہیئت اور اس کے اظہار کے لئے فارسی کے تمام طریقوں کو استعمال کیا۔ غزل کے لئے اہم ضرورتیں جیسے وزن، بحر، قافیہ، ردیف کے علاوہ مطلع، مقطع اور علم عروض کی ارکان کی پابندی بہمنی دور کے غزل گو شعراء میں نمایاں ہے۔ البتہ بہمنی دور کے دکنی غزل گو شعراء کے کلام میں صوتی قافیے اور ہم آواز الفاظ کے استعمال کی خصوصیت دیکھے جاسکتے ہیں، جو بعد کے دور کی غزل میں موجود نہیں۔ بہمنی دور کے اولین شاعر کی حیثیت سے سید محمد بندہ نواز گیسو دراز، فیروز شاہ بہمنی، سید محمد اکبر حسینی اور آذری کی چند غزلوں کے علاوہ اشرف بیابانی، مشتاق اور لطفی کے علاوہ میراں جی شمس العشاق اور فیروز بیدری کی غزلوں کا ذخیرہ دستیاب ہوا ہے۔ اس دور تک غزل گوئی کی مثال صرف اور صرف فارسی شاعری کے توسط سے منظر عام پر آئی تھی۔ البتہ دکنی شعراء نے دکنی لفظیات، فارسی تراکیب، سنسکرت انداز اور مقامی زبانوں کی روایت کو اپنی غزلوں میں ضرور استعمال کیا۔

10.2۔دکن میں اردوغزل:۔

بہمنی سلاطین کے دور میں مثنوی کی صنف کوعروج حاصل ہوا،لیکن فارسی سے اس دور میں اختیار کی جانے والی صنف غزل پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔بہمنی دور میں پانچ شاعروں نے اپنی غزلوں کے نمونے چھوڑے ہیں،جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہمنی سلاطین کے توسط سے گلبرگہ اور بیدر کے علاقہ میں دکنی غزل لکھنے والے شاعروں نے فارسی غزل کی صنف کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا، چنانچہ فارسی غزل کے موضوعات اوراس غزل میں استعمال ہونے والی تشبیہات اوراستعارات کا سلسلہ بھی دکنی غزل میں نمایاں ہوتا ہے۔دکنی میں لکھی جانے والی بہمنی غزل کے موضوعات انتہائی محدود ہیں چونکہ اس دور کے شعراء نے عشق مجازی اورعورت کے حسن کو بھی غزل میں اظہار کا وسیلہ بنایا تھا۔اس لئے محبوب کے حسن اوراس کی اداؤں کے علاوہ اس کی کیفیات کو مبالغہ آمیز انداز سے غزل میں پیش کرنا بہمنی دور کی موضوعاتی خصوصیت ہے۔دکنی غزل میں دکنی لب ولہجہ اوراظہار کے دوران دکنی خصوصیات کونمائندگی دینا بہمنی دور کی غزل کے امتیازات میں شامل ہے۔بہمنی دور سے وابستہ پانچوں غزل کے شعراء نے مکمل طور پر فارسی خیالات کو دکنی غزل میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی۔اس دور تک عورت کے حسن کو ہی جاذب نظر اور قابل التواء سمجھا جاتا تھا،اس لئے شاعروں نے غزل کے ذریعہ حسن اورعشق کی مجازی خصوصیات کواولیت دی۔ بہمنی دور کے غزل گوشعراء نے عورت کے حسن کی مبالغہ آمیزتعریف کا رویہ اختیار کیا لیکن ان شاعروں کی خصوصیت یہی ہے کہ انہوں نے اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہرلحاظ سے عریانیت سے پرہیز برتا،جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور کے معاشرے میں مذہب اوراخلاق کی گرفت سخت ہونے کی وجہ سے غزل کے اشعار میں بے حیائی اورعریانیت کے علاوہ جنسی مسائل کو بیان کرنے سے پرہیز برتا گیا۔بہمنی دور میں غزل لکھنے والے پانچ اہم شعراء کی حیثیت سے حضرت سید بندہ نواز گیسودراز، فیروز بیدری،مشتاق اور لطفی کے علاوہ سید محمد اکبر حسینی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان پانچ شعراء میں دوشاعروں کا تعلق مذہبی خانوادے سے ہے لیکن ان شاعروں نے بھی غزل میں اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہرقسم کے تہذیبی پیرائے کا استعمال کیا۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ اس دور کے معاشرے میں عریانیت اورجنس زدگی کا تصور بھی محال تھا۔اس لئے بہمنی دور کی دکنی غزلوں میں تہذیب وشائستگی کے علاوہ عورت کے حسن کے بیان کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس دور کے غزل گوشعراء نے دکنی کے سنسکرت آمیز لہجے کو اختیار کرتے ہوئے غزلیں لکھیں،جن میں

نغمگی کی کمی واضح ہوتی ہے لیکن قافیہ ردیف اور مطلع و مقطع کے علاوہ وزن اور بحر کے تعین کے معاملے میں بہمنی دور کے دکنی غزل گو شاعر مکمل طور پر فارسی غزل کی روایت کا اتباع کرتے ہیں۔اس کے باوجود بھی بہمنی دور میں غزل کے بجائے مثنوی کی صنف کو فروغ حاصل ہوا۔ غرض بہمنی دور کی غزل بھی اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔

10.3۔عادل شاہی دور میں غزل:۔

غزل کو اردو شاعری کی آبرو کا درجہ حاصل ہے، لیکن دکن کی سرزمین میں بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں غزل کے بجائے مثنوی اور قصیدے کو عروج حاصل ہوا، اس وقت تک دکنی شاعروں میں غزل کا مزاج وضع نہیں ہوا تھا۔اس لئے اس دور کی شاعری میں غزل کا انداز دکھائی دیتا ہے، لیکن اسے عوامی صنف کا درجہ حاصل نہیں ہوا۔فارسی سے اردو میں منتقل ہونے والی غزل کو عادل شاہی دور کے شاعروں نے نغمگی، نزاکت، حسن، رنگین بیانی اور عشق پرستی سے وابستہ رکھا، عادل شاہی دور میں صوفی مسلک کے شاعروں نے عشق حقیقی کی نمائندگی کو اپنی غزلوں کا موضوع بنا کر تصوف، روحانیات، خدائی صفات اور شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے موضوعات کو غزل کا حصہ بنا دیا، جبکہ عام غزل گو شاعروں نے حسن پرستی، رنگینی اور عاشق مزاجی کو فارسی غزل سے دکنی غزل میں منتقل کیا، لیکن عادل شاہی دور میں لکھی جانے والی غزلوں میں تہذیب و شائستگی کے علاوہ اخلاقی رجحانات کا انداز نمایاں ہے۔کسی بھی عادل شاہی غزل گو شاعر نے جنس زدگی اور عریانیت کو اپنی غزل کا موضوع نہیں بنایا، غزل کی لفظی معنویت کا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے حسن اور اس کی اداؤں کو غزل میں پیش کرتے ہوئے رنگینی اور حسن پرستی کو غزل کا حصہ بنا دیا۔عادل شاہی غزل گو شعراء کو تین درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔غزل گو شعراء میں صوفیہ کرام اور بزرگان دین بھی شامل ہیں، جن کی غزلوں میں مذہبی رنگ اور متصوفانہ مزاج کی نشاندہی ملتی ہے۔عادل شاہی دور کے متصوفانہ غزل گو شعراء میں میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، امین الدین علی اعلیٰ، شاہ معظم، ہاشمی اور ملک خوشنود کا شمار ہوتا ہے، جنہوں نے مذہب، روحانیت اور تصوف کے مسائل کو غزلوں میں پیش کیا، جس کے بعد عادل شاہی دور کے غزل گو شعراء میں ان افراد کا شمار ہوتا ہے، جنہوں نے عشق مجازی کی مختلف خصوصیات کو غزل کے طور پر استعمال کیا۔ایسے غزل گو شعراء کی طویل فہرست دستیاب ہے، جس کے ذریعہ عشقیہ غزل کی روایت عادل شاہی دور کی شاعری کا وسیلہ بن جاتی ہے۔عبدل، آتش مقیمی، امین، شوقی، صنعتی کے علاوہ نصرتی، شاہی نے غزل کے عاشقانہ انداز کو پیش کرنے میں اپنی انفرادیت کا مظاہرہ

کیا۔فکر وخیال کی باریکی اور اظہار کی تازگی کو روایتی دکنی لفظیات کے ساتھ نصرتی نے عروج تک پہنچا دیا۔نصرتی کے بعد شاہی اور شاہ معظم کی غزلوں میں فن کار چاؤ اپنی نیرنگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ایاغی بیجاپوری کی تین غزلیں دستیاب ہیں،جس میں رومانی انداز کی بھرپور نشاندہی ہوتی ہے۔عادل شاہی دور کے غیر معروف دکنی شاعر کریم کی غزلوں میں بھی یہی انداز جلوہ گر ہے۔شاہ عبدالقادر لنگا کی غزلوں میں تصوف کا رنگ اور ظہور کی غزلوں میں شوخی اور نازک خیالی نمایاں ہوتی ہے۔مقیمی اور آتشی کے ہمعصر شاعر کی حیثیت سے ظہور نے غزل کے عشقیہ رنگ کو اپنایا۔اس طرح عادل شاہی غزل کے تین انداز جیسے متصوفانہ رنگ،عاشقانہ رنگ اور جمالیاتی احساس کی وجہ سے اس دور کی غزل کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔عادل شاہی غزل کی انفرادیت یہی ہے کہ اس دور کے شاعروں نے خیالی اور قیاسی محبوب کے پیکر کو جذبات اور احساسات کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ عشقیہ غزلوں میں جسم اور جان کے زمینی پیکر کو اولیت دی، جو صنف مخالف سے تعلق رکھتا ہے۔عادل شاہی دور کی عشقیہ غزلوں میں حسن اور عورت کی جلوہ گری واضح ہے،جبکہ متصوفانہ شاعروں نے خدا کے جلوؤں اور روحانی خصوصیات کو عادل شاہی غزل کا وسیلہ بنایا۔اس طرح عادل شاہی غزل میں حسن وعشق پرستی،تصوف اور جمالیات کا ایسا امتزاج موجود ہے،کہ جس کی وجہ سے عادل شاہی دور کی غزل اپنے عہد کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔

10.3.1۔ قطب شاہی عہد کی غزل:۔

قطب شاہی دور میں دیگر شعری اصناف کی طرح غزل کی شاعری کو بھی فروغ حاصل ہوا۔دکنی شاعری میں فارسی شعری اصناف اور دکنی الفاظ کے علاوہ سنسکرت کی جھلک نمایاں ہے۔یہی انداز دکنی غزل میں بھی واضح ہے۔دکن کے غزل گو شعراء نے غزل گوئی کی صنف کو فارسی سے مستعار لیا۔فارسی زبان میں موجود غزل کے تمام فنی اوصاف کو اختیار کرتے ہوئے دکنی شاعری میں غزل کی کو فروغ دیا گیا۔قطب شاہی دور میں لکھی جانے والی غزل کے امتیازات میں عشق حقیقی اور عشق مجازی کی تمام خصوصیات جلوہ گر ہیں۔اس دور کے صوفی شعراء نے عرفان،معرفت، روحانیات،تصوف، وحدانیت اور خدا پرستی کے علاوہ خدائی صفات کی متصوفانہ غزل میں شامل کیا،جبکہ دیگر شعراء نے عشق مجازی کی طرف توجہ دی۔حسن اور اس کی اداؤں کے علاوہ دلفریبیوں کو ہی نہیں بلکہ عشق اور معاملات عشق کے تمام موضوعات کو غزل کی شاعری میں شامل کر دیا اور قطب شاہی دور کی غزل کو امتیازی خصوصیات سے وابستہ کر دیا۔قطب شاہی دور کے عام شعراء ہی نہیں بلکہ سلاطین شعراء نے بھی غزل گوئی کی

طرف توجہ دی۔ ابراہیم عادل شاہ کی ایک رباعی، قلی قطب شاہ کی بے شمار عشقیہ اور رومانی غزلیں، عبداللہ قطب شاہ کی غمگین غزلیں اور اس کے علاوہ بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ شاعروں میں ملا وجہی اور غواصی کی غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ قطب شاہی دور میں نہ صرف بادشاہوں نے غزل گوئی کی طرف توجہ دی بلکہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ شاعروں کے علاوہ صوفیہ کرام اور عام غزل گو شعراء نے بھی غزل کو ہمہ جہت انداز سے ترقی دینے کا کارنامہ انجام دیا۔ اس دور کے صوفیہ شعراء حضرت میراں جی خدا نما، حضرت شیخ عبداللہ اور سیوک کے علاوہ افضل اور فتاحی ایسے شاعر گزرے ہیں جنہوں نے پیر پرستی اور مذہب پرستی کے علاوہ درباروں سے وابستگی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے غزل کی شاعری کو امتیاز بخشا۔ قطب شاہی دور کی غزل گوئی میں امتیازی خصوصیت یہی ہے، کہ اس دور کے غزل گو شعراء نے دوسرے دور کے غزل گو شعراء کے مقابلے میں عربی اور فارسی تراکیب کے استعمال پر خصوصی توجہ دی۔ دکنی غزل گوئی کے فنی محاسن کو قطب شاہی دور سے وابستہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں شاعروں نے مردف غزلوں اور غیر مردف غزلوں کی طرف توجہ دیتے ہوئے دونوں انداز کو فروغ دیا، جبکہ بعد کے دور میں اردو شاعری میں غیر مردف غزل کو نظر انداز کر دیا گیا۔ قطب شاہی دور کے شاعروں کی غزلوں کی یہ خوبی ہے کہ شاعروں نے ترنم نغمگی اور موسیقیت سے وابستہ بحروں کا انتخاب کر کے رواں اور سلیس شاعری کی طرف توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ دکنی غزل کی نمائندگی کرتے ہوئے قطب شاہی دور کے شاعروں نے جس قسم کی غزلیں لکھیں، ان میں متروک الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے اور انہیں آج کے لفظوں سے بدل دیا جائے تو قطب شاہی دور کے ہر شاعر کی غزل میں حسن آفرینی، رنگینی اور خیال کی ندرت کے علاوہ فکر کی بالیدگی محسوس کی جاتی ہے۔ بعض غزلیں قطب شاہی دور کے شعراء نے اس انداز سے لکھیں کہ 400 سال قبل کی غزلوں میں آج کا رنگ اور انداز نمایاں ہوتا ہے۔ غرض قطب شاہی دور میں لکھی جانے والی غزل اگرچہ غزل کے فن اور اصول کی پابجائی کرتے ہوئے تمام فنی خصوصیات سے مالا مال ہے، لیکن غزل کے درمیان سنسکرت لفظیات اور دکنی کے متروک الفاظ کی وجہ سے روانی اور نغمگی میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ دکنی کے غزل گو شعراء میں قطب شاہی دور کی عیش پرستی اور حسن آفرینی کے علاوہ اس دور کی زنانہ صفات کو غزلوں میں شامل کرتے ہوئے واضح ثبوت فراہم کیا گیا ہے کہ وہ جس جان اور جسم سے محبت کرتے ہیں، وہ کوئی خیالی یا ماورائی کردار نہیں، بلکہ اسی زمین پر بسنے والا گوشت پوست کا انسان ہے، جو جذبات سے مغلوب اور احساسات سے وابستہ رہتے ہوئے جنس مخالف کی نمائندگی کرتا ہے، اس طرح قطب شاہی دور کی دکنی غزل میں حسن و عشق کی جلوہ گری اور رنگین بیانی کے علاوہ جذبات اور احساسات کی

نمائندگی کا سچا اور دلچسپ اظہار نمایاں ہوتا ہے۔ اسی لئے قطب شاہی دور کی دکنی غزل کو مختلف ادوار کی غزل گوئی سے منفرد انداز کی غزل کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے دکن میں غزل کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 10.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجئے:۔

۱۔غزل کو اردو شاعری کی آبرو کا درجہ حاصل ہے لیکن ۔۔۔۔۔۔کی سرزمین میں بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں

۲۔غزل کے بجائے مثنوی اور قصیدہ کو عروج حاصل ہوا۔ اس وقت تک ۔۔۔۔۔میں غزل کا رواج وضع نہیں ہوا تھا اسلئے

۳۔اس دور کی شاعری میں غزل کا انداز تو دیکھائی دیتا ہے لیکن اسے ۔۔۔۔۔کا درجہ حاصل نہیں تھا۔۔۔۔۔ میں منتقل

۴۔ہونے والی غزل کو بہمنی دور کے شعراء نے بھی اپنایا لیکن ان کے یہاں فارسی غزل کے موضوعات اور اس میں استعمال

۵۔ہونے والی ۔۔۔۔۔۔دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بہمنی دور کے غزل کے موضوع محدود ہیں۔ اس دور کے شعراء نے ۔۔۔۔ اور عورت کے حسن کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔

10.4۔عمومی جائزہ:۔

غزل کو اردو شاعری کی آبرو کا درجہ حاصل ہے لیکن دکن کی سرزمین میں بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں غزل کے بجائے مثنوی اور قصیدہ کو بھی عروج حاصل ہوا۔ اس وقت تک دکنی شاعروں میں غزل کا رواج تھا اسلئے اس دور کی شاعری میں غزل کا انداز تو دیکھائی دیتا ہے لیکن اسے عوامی صنف کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ فارسی سے اردو میں منتقل ہونے والی غزل کو بہمنی دور کے شعراء نے بھی اپنایا لیکن ان کے یہاں فارسی

غزل کے موضوعات اوراس میں استعمال ہونے والی تشبیہات واستعارات دیکھنے کو ملتے ہیں۔بہمنی دور کے غزل کے موضوع محدود ہیں۔اس دور کے شعراء نے عشق مجازی اور عورت کے حسن کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔دکنی دور کی غزلیں حسن وعشق کے اردگرد نظر آتی ہیں ان کے یہاں عورت کے حسن کی مبالغہ آمیز تعریف کا رویہ ملتا ہے۔انھون نے اخلاقی پہلو کو پیش نظر رکھا۔بہمنی دور کے غزل گوشعراء میں بندہ نواز گیسودراز، فیروز بیدری، مشتاق اور لطفی کے علاوہ بھی محمد اکبر حسینی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان شعراء نے اخلاقی پہلو کو پیش کرتے ہوئے ہر قسم کے تہذیبی پیرائے کا استعمال کیا۔دکنی غزلوں میں تہذیب وشائستگی کے علاوہ عورت کے حسن کے بیان کے معاملے میں احتیاط برتا ہے۔غزل گوشعراء نے دکنی کے سنسکرت آمیز لہجے کو اختیار کرتے ہوئے غزلیں لکھیں۔

عادل شاہی دور میں صوفی مسلک کے شاعروں نے عشق حقیقی کو اپنی غزلوں کا موضوع بنایا۔اس دور کے شعراء نے حسن پرستی، رنگینی اور عشق مزاجی کو بھی فارسی غزل سے دکنی میں منتقل کیا۔عادل شاہی دور میں لکھی جانے والی غزلوں میں تہذیب وشائستگی کے علاوہ اخلاقی انداز بھی نمایاں ہے۔عادل شاہی غزل گوشعراء کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔غزل گوشعرا میں صوفیا کرام اور بزرگان دین بھی شامل ہیں جن کی غزلوں میں مذہبی رنگ اور تصوفانہ مزاج کی نشان دہی ملتی ہے۔عادل شاہی دور کے تصوفانہ غزل گوشعراء میں میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، امین الدین علی اعلیٰ، شاہ معظم، ہاشمی اور ملک خوشنود کا شمار ہوتا ہے۔انھوں نے مذہب، روحانیت اور تصوف کے مسائل کو غزلوں میں پیش کیا۔عادل شاہی دور کے دوسرے حصے کے غزل گوشعراء نے عشق مجازی کی مختلف خصوصیات کو پیش کیا۔ان شعراء میں عبدل، مقیمی، امین، شوقی، صنعتی کے علاوہ نصرتی اور شاہی نے غزل کے عاشقانہ انداز کو پیش کرنے کی کوشش کی۔

فکر وخیال کی باریکی اور اظہار کی تازگی کو روایتی دکنی لفظیات کے ساتھ نصرتی نے عروج پر پہنچا دیا، نصرتی کے بعد شاہی اور شاہ معظم کی غزلوں میں فن کا رچاؤ اپنی نیرنگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔عادل شاہی غزل کے تین انداز متصوفانہ رنگ، عاشقانہ رنگ اور جمالیاتی احساس کی وجہ سے اس دور کی غزل کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، اس طرح عادل شاہی غزل حسن وعشق پرستی، تصوف اور جمالیات کا حسین امتزاج ہے۔

قطب شاہی دور میں دیگر شعری اصناف کی طرح غزل گوئی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔قطب شاہی دور میں لکھی جانے والی غزل کے

امتیازات میں عشق حقیقی اور عشق مجازی کی تمام خصوصیات جلوہ گر ہیں۔اس دور کے صوفی شعراء نے عرفان،معرفت،روحانیت اور خدا پرستی کے علاوہ خدائی صفات کو تصوفانہ غزل میں شامل کیا۔جبکہ دیگر شعراء نے عشق مجازی کی طرف توجہ دی۔حسن اور اس کی اداؤں کے علاوہ دلفریبیوں کو ہی نہیں بلکہ عشق اور معاملات عشق کے تمام موضوعات کو غزل میں شامل کر دیا اور قطب شاہی دور کی غزل کو امتیازی خصوصیت سے وابستہ کر دیا۔ قطب شاہی دور کے سلاطین شعراء نے بھی غزل گوئی کی طرف توجہ دی۔ابراہیم عادل کی ایک رباعی،قلی قطب شاہ کی بے شمار عشقیہ اور رومانی غزلیں،عبداللہ قطب شاہ کی غمگین غزلیں اور اس کے علاوہ بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ شاعروں میں ملاوجہی اور غواصی کی غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ قطب شاہی دور میں غزل کو بہت فروغ حاصل ہوا۔صوفیا شعراء میں حضرت میراں جی خدا نما،حضرت شیخ عبداللہ،افضل اور فتاحی اہم ہیں۔قطب شاہی غزل گوئی کی امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ اس دور کے غزل گو شعراء نے دوسرے دور کے غزل گو شعراء کے مقابلے میں عربی اور فارسی تراکیب کے استعمال پر خصوصی توجہ دی۔قطب شاہی دور کے غزلوں کی یہ خوبی ہے کہ شاعروں نے ترنم،نغمگی اور موسیقیت سے وابستہ بحروں کا انتخاب کر کے رواں اور سلیس شاعری کی طرف توجہ دی۔اس طرح قطب شاہی دور کی دکنی غزل میں حسن وعشق کی جلوہ گری اور رنگین بیان کے علاوہ جذبات اور احساسات کی نمائندگی کا سچا اور دلچسپ اظہار نمایاں ہوتا ہے۔اس لئے قطب شاہی دور کی دکنی غزل کو مختلف ادوار کی غزل گوئی سے منفرد انداز کی غزل کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

10.5 ۔فرہنگ:۔

مدارج	درجے،رتبے،مراحل،منزلیں
معاشرت	لوگون کا ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا
منتقل	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
امتیاز	فرق،تمیز،برتری،شناخت
تراکیب	بناوٹ،ساخت،ترتیب،ڈھنگ

10.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ دکن میں غزل کی ابتدا کن تاریخی، تہذیبی اور ادبی حالات کے تحت ہوئی؟ اس کے پس منظر اور ابتدائی خدوخال پر مفصل اظہارِ خیال کیجیے۔

۲۔ دکنی غزل کے ارتقا کا تفصیلی جائزہ لیجیے اور بیان کیجیے کہ مختلف ادوار میں اس صنف میں کس نوعیت کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

۳۔ دکنی غزل کی لسانی اور فنی خصوصیات کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے اور اس کے اسلوبِ بیان پر جامع روشنی ڈالیے۔

۴۔ دکن کے شعرا نے غزل کو فروغ دینے میں کیا کردار ادا کیا؟ ان کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

۵۔ دکنی غزل کے موضوعات و مضامین کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیجیے کہ عشق، تصوف اور معاشرتی عناصر کس انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

۶۔ دکن میں غزل نگاری پر مقامی زبانوں اور ثقافت کے اثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

۷۔ دکنی غزل کی سادگی، برجستگی اور عوامی رنگ کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی ادبی اہمیت پر مفصل اظہارِ خیال کیجیے۔

۸۔ دکن کی غزل اور شمالی ہند کی غزل کے مابین فنی اور لسانی فرق کو دلائل اور مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

۹۔ دکنی غزل کے ابتدائی نمونوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کی ادبی و فنی خصوصیات کو بیان کیجیے۔

10.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔دکن میں غزل کے ابتدائی دور میں کن موضوعات اور رجحانات کا غلبہ نظر آتا ہے؟

____

____

____

____

____

سوال۔۲:۔دکنی غزل نے شمالی ہند کی غزل سے کس طرح اپنی الگ شناخت قائم کی؟

____

____

____

____

____

____

10.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔دکن کی ابتدائی غزل میں تصوف، اخلاقیات، مذہبی خیالات اور سادہ جذباتی اظہار نمایاں ہے۔عشق کے ساتھ ساتھ وعظ، نصیحت اور روحانی مضامین بھی غزل کا حصہ بنے۔

جواب۔۲:۔دکنی غزل نے مقامی زبان، تہذیب اور روزمرہ زندگی کے اثرات کو قبول کیا۔اس میں سادگی، بے ساختگی اور عوامی لہجہ نمایاں ہے جو اسے شمالی ہند کی غزل سے ممتاز بناتا ہے۔

جواباتِ سرگرمی۔

ا۔دکن

۲۔دکنی شاعروں

۳۔عوامی صنف

۴۔فارسی سے اردو

۵۔تشبیہات واستعارات

۶۔عشق مجازی

10.9۔ امدادی کتب:۔

ا۔	شمس الرحمٰن فاروقی	اردو کا ابتدائی زمانہ، کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۰ء
۲۔	اختر انصاری	غزل کی سرگزشت، جامعہ اردو،علی گڑھ ۱۹۹۰ء
۳۔	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء، ایم آر پبلیکیشنز، نئی دہلی،۲۰۰۲ء
۴۔	پروفیسر محمد انصاراللہ	تاریخ زبان وادب اردو، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی،۲۰۱۲ء
۵۔	پروفیسر مجید بیدار	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات

سبق نمبر۔۱۱: داستان (دکن)

ساخت:۔

11.0۔ اغراض ومقاصد

11.1۔ تعارف

11.2۔ دکن میں داستان

11.3۔ داستان سب رس

11.4۔ خلاصہ

11.5۔ فرہنگ

11.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

11.7۔ مشقی سوالات

11.8۔ جوابات سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

11.9۔ امدادی کتب

11.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق ،،دکن میں داستان'' کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ داستان کی صنفِ ادب کی بنیادی خصوصیات ،اس کی

ساخت، ہیئت اور اسلوب کو سمجھ سکیں، دکن میں داستان نگاری کے آغاز، ارتقا اور اس کے ادبی و تہذیبی پس منظر کا واضح ادراک حاصل کر سکیں، داستان میں بیان ہونے والے واقعات، کرداروں اور مافوق الفطرت عناصر کو مربوط انداز میں سمجھ سکیں اور ان کے فکری و معنوی پہلوؤں کی وضاحت کر سکیں، مشکل الفاظ، محاورات اور تراکیب کی تشریح کے ذریعے متن کی گہرائی تک رسائی حاصل کر سکیں، دکنی داستانوں کے اسلوبِ بیان، تخّیل اور بیانیہ تکنیک کا تنقیدی و تجزیاتی جائزہ لے سکیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ میں ادبی ذوق، فہمِ زبان، فصاحت و بلاغت اور تجزیاتی صلاحیت اس حد تک بہتر ہو جائے گی کہ آپ داستانی ادب کو بامعنی انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

11.1 ۔تعارف

داستان افسانوی ادب کی قدیم ترین صنف ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک یہ صنف عوام و خاص میں بہت مقبول رہی ہے۔ جس طرح اٹھارویں اور انیسویں صدی میں غزل کے علاوہ مثنوی، قصیدے اور مرثیہ کو عروج حاصل تھا۔ افسانوی نثر میں داستان بھی اہم ترین صنف سمجھی جاتی تھی۔ داستان سب رس، قصہ مہر افروز و دلبر، نوطرز مرصع، عجائب القصص، فسانہ عجائب، بوستان خیال اور داستان امیر حمزہ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ اور پھر فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی داستانوں مثلاً ''باغ و بہا'' آرائش محفل، مذہب عشق وغیرہ نے اردو کے داستانوی ادب میں اضافہ کیا۔

11.2۔دکن میں داستان

دکن کی سرزمین میں بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد پانچ سلطنتوں کے قیام میں گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کو شعر و ادب کی ترقی کا اعزاز حاصل ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ قطب شاہی بادشاہوں نے ہی نہیں، بلکہ اس دور کے دربار سے وابستہ اہل ذوق نے بھی دکن میں شاعری کی اور عام شاعروں نے بھی دکنی میں اظہار خیال کر کے شعر گوئی اور نثر نگاری کو فروغ دیا۔ قطب شاہی دور کے دو بڑے اہم شاعروں کی حیثیت سے ملا وجہی اور غواصی کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ غواصی کے مقابلے میں وجہی کو افضلیت اس لئے حاصل ہو جاتی ہے کہ، ملا وجہی کو چار بادشاہوں کا دور دیکھنے کا موقع ملا اور اسے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے دوست اور عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے ملک الشعراء کے خطاب

سے نوازے جانے کا شرف بھی حاصل ہے۔ دکن کی سرزمین میں ہی نہیں بلکہ ساری اردو نثری تاریخ میں ملا وجہی کی لکھی ہوئی نثری، تمثیل قصے پر مبنی کتاب ''سب رس'' کو اردو کی اولین داستان کا درجہ صاصل ہے۔ اس نثری کتاب میں ہر قسم کی خصوصیت کو شامل کر کے ملا وجہی نے حسن وعشق کی داستان ہی بیان نہیں کی، بلکہ پند ونصائح اور انشا پردازانہ اسلوب اختیار کر کے ''سب رس'' جیسی کتاب کو داستان سے زیادہ انشائیہ اور انسانی نفسیات سے قریب مسائل کو پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ملا وجہی نے فارسی کے شاعر یحی ابن سیبک فتاحی کی لکھی ہوئی کتاب ''دستور العشاق'' کے دکنی ترجمے کے دوران اپنی انفرادیت اور جدت پسندی کو شامل کر کے اس کتاب کو بلاشبہ ہمہ رنگی اظہاریت کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ ایک نثر نگار کی حیثیت سے ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ ''قصہ حسن ودل'' کو تمثیلی کرداروں سے وابستہ کر کے تہذیب واخلاق اور مذہب وثقات کی حقیقت کو نمائندگی دی ہے۔ ''سب رس'' میں اس کا طرز تحریر مسجع اور مقفی ہے جس طرح ایک طبع زاد کتاب میں فکر وفن کی گہرائی اور گیرائی کے علاوہ دانشورانہ فکر کو جگہ دی جاتی ہے، اسی طرح ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ دو اہم کرداروں یعنی زنانہ کردار حسن اور مردانہ کردار دل کے قصے کو بیان کر کے قصہ گوئی کا حق ادا کیا ہے، جس طرح ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ نثر میں منفرد کارنامہ انجام دیا، اسی طرح اس نے شاعری میں طبع زاد قصہ منظوم کر کے مشہور مثنوی ''قطب مشتری'' لکھی۔ جس میں حقیقی قصہ بیان کرتے ہوئے بادشاہ وقت سلطان محمد قلی قطب شاہ اور اس کی محبوبہ مشتری کے عشقیہ انداز کو نمائندگی دی ہے۔ غرض ملا وجہی جس طرح ''سب رس'' میں انفرادی مقام رکھتا ہے، اسی طرح شاعری میں بھی مثنوی نگاری کے توسط سے اہم کارنامہ انجام دینے کا ضامن قرار پاتا ہے۔ وجہی غزل کے شاعر کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتا ہے اور اس نے حمد ونعت ومنقبت ہی نہیں بلکہ مرثیے، غزلیں اور رباعیات میں بھی طبع آزمائی کی۔ اس کی مثنوی ''قطب مشتری'' ۱۰۱۸ھ م ۱۶۰۹ء اور ''سب رس'' ۱۰۴۵ھ م ۱۶۳۵ء میں مکمل ہوئی۔ اس نے قطب شاہی دور کے چار بادشاہوں یعنی ابراہیم قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کے علاوہ عبداللہ قطب شاہ کے دور میں زندگی گذاری۔ دکن کے شاعروں میں وجہی کو اس لئے خوش نصیب شاعر قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے بیک وقت منظوم کارناموں کے ساتھ ساتھ نثری کارناموں کی وجہ سے اردو دنیا میں شہرت حاصل کی۔ اس کی مثنوی کی تصنیف پہلے ہوئی اور بعد میں ''سب رس'' لکھی گئی۔ قلی قطب شاہ کے دور میں ''قطب مشتری'' کی تدوین اور ملا وجہی کا فارسی دیوان مرتب ہوا عبداللہ قطب شاہ کے دور میں ''سب رس'' کی تکمیل عمل میں آئی۔

11.3۔داستان سب رس:۔

شعر وادب کی دنیا کے مایہ ناز شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں، بلکہ کامیاب داستانوی نثر نگار کے علاوہ انشائیہ نگار کی حیثیت سے ملا وجہی کا مقام ومرتبہ کافی بلند ہے۔وجہی کی نثری کوشش کو اس لئے اہمیت دی جاتی ہے کہ اس نے سولہویں صدی میں زندگی گزاری اور اس کی حیات کا بہت بڑا حصہ گولکنڈہ میں گذرا۔اس دور تک فارسی شاعری کے نمونے تو دستیاب تھے،لیکن نثر کے نمونوں کو حاصل کرنا سخت دشوار تھا۔ملا وجہی نے ایک تجربہ کار اور ضعیف العمر شخص کی حیثیت سے نثری کارنامہ انجام دیا۔''سب رس'' کی تحریر بلاشبہ عبداللہ شاہ کی فرمائش کا نتیجہ ہے۔عبداللہ قطب شاہ کا اقتدار ۱۶۲۵ء سے وابستہ ہے۔اس کے دور میں دکنی کے دوسرے شعراء بھی اہمیت کے حامل ہو چکے تھے۔ملا وجہی کے علاوہ غواصی کو بھی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ شاعروں میں ابن نشاطی،افضل اور طبعی بھی شامل تھے۔عبداللہ قطب شاہ کے اقتدار کے آغاز یعنی ۱۶۲۵ء کے صرف ۱۰ سال بعد یعنی ۱۶۳۵ء میں ''سب رس'' کا لکھی گئی۔اس نثری داستان میں ملا وجہی نے رمز کی کیفیت کو بھی شامل کیا ہے اور اس کے ساتھ تمثیل نگاری کے طرز کو بھی برتا ہے۔ڈاکٹر جاوید وششت نے ملا وجہی کی ''سب رس'' سے منتخب کر کے جو کتاب ''ملا وجہی کے انشائیے'' پیش کی ہے۔اس سے خود انداز ہوتا ہے کہ ملا وجہی نے اپنی نثری کتاب ''سب رس'' کو داستان کی حیثیت سے پیش کیا اور اس داستان میں تمثیل کا انداز یہ ثابت کرتا ہے ملا وجہی کا نثری اسلوب اسے بیک وقت افسانوی نثر کا علمبردار بناتا ہے تو اسی افسانوی نثر میں ملا وجہی نے کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر افسانوی نثر کی خصوصیت کو شامل کر کے انشائیہ کی خصوصیت کو بھی شامل کر لیا ہے۔جس کے نتیجے میں ملا وجہی بیک وقت افسانوی نثر نگار ہی نہیں، بلکہ ایک ہی کتاب کے ذریعہ غیر افسانوی نثر کو نمائندگی دینے کا علمبردار قرار پاتا ہے۔ملا وجہی کی نثر کا کمال یہی ہے کہ اس نے دکنی زبان کی روایات کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے بیک وقت ''سب رس'' کی نثر کو قصہ گوئی کی نثر یعنی افسانویت اور حقیقت پسندانہ نثر یعنی غیر افسانویت کو بھی ایک ہی کتاب میں شامل کر کے زبان پر اپنی گرفت اور اظہار کی قوت کو نمائندگی دی ہے۔عام طور پر قصہ،کہانی کی نثر میں بیانیہ اور غیر افسانوی نثر میں بیانیہ کے بجائے وضاحت کی روش کو اختیار کیا جاتا ہے جس کے انداز کی تبدیلی کی وجہ سے افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر کی امتیازی خصوصیت واضح ہوتی ہے۔ملا وجہی کا کمال یہی ہے کہ اس نے ''سب رس'' کو نثری داستان کی حیثیت سے پیش کرنے کے دوران تحریر کا روایتی اسلوب یعنی مسجع اور مقفع طرز کو رواج دیا ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے دکن میں داستان کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 11.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجیے:۔

۱۔ داستانوی نثر کو جہاں تخلیقیت اور قصہ گوئی سے وابستہ کر کے ۔۔۔۔۔کے حسن کو نمایاں کیا ہے، وہیں غیر افسانوی نثر کی ۲۔صنف ۳۔۔۔۔۔۔۔۔کی فطری ترنگ کو نثر میں جگہ دے کر افسانوی وغیر افسانوی نثر کے امتزاج کو یکجا کر کے یہ ثابت کر دیا

۳۔ ہے کہ اسلوب کی بنیاد پر۔۔۔۔۔کو طرز تحریر کا شہنشاہ اور اظہار کا فرماں روا قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔اس ملے جلے

۴۔اسلوب کی بھرپور نمائندگی ملا وجہی نے اپنی نثری کتاب۔۔۔۔۔میں پوری خصوصیت کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

11.4۔عمومی جائزہ:۔

ملا وجہی کے روبرو نثر لکھنے کی کوئی مثال موجود نہیں تھی، اس نے اپنی ذہانت اور صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نثر کے منفرد انداز کو اختیار کیا ۔خود ملا وجہی نے سب رس کے دیباچے میں وضاحت کر دی ہے کہ وہ ایک منفرد قصہ منفرد اسلوب میں پیش کر رہا ہے۔، یہی وجہ ہے کہ ملا وجہی نے ''سب رس'' کے اسلوب میں ندرت اور جدت کے علاوہ فطری ذہانت کو شامل کر کے ''سب رس'' کے اسلوب کو حد درجہ نمائندہ بنا دیا، جس میں فارسی مقولے، قرآنی آیات اور احادیث کے عربی فقرے ہی نہیں، بلکہ نامور اساتذہ کے ملفوظات کو شامل کر کے نثر کی ایسی خصوصیت کو دکنی ادب کا وسیلہ بنایا، جس میں ہر قسم کا رس اور ہر قسم کی خصوصیت شامل ہے، اسی لئے ملا وجہی نے اپنی کتاب کو خصوصیت کی بنیاد پر ''سب رس'' کا عنوان دے کر اس کے ذریعہ قصہ، کہانی کی نثر اور اس کے ساتھ ہی دنیا کی حقیقتوں کی نثر کو نمائندگی دی ہے۔داستانوی نثر کو جہاں تخلیقیت اور قصہ

گوئی سے وابستہ کر کے تمثیل کے حسن کو نمایاں کیا ہے، وہیں غیر افسانوی نثر کی صنف انشائیے کی فطری ترنگ کو نثر میں جگہ دے کر افسانوی و غیر افسانوی نثر کے امتزاج کو یکجا کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلوب کی بنیاد پر ملا وجہی کو طرزِ تحریر کا شہنشاہ اور اظہار کا فرماں روا قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔اس ملے جلے اسلوب کی بھرپور نمائندگی ملا وجہی نے اپنی نثری کتاب ''سب رس'' میں پوری خصوصیت کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

11.5۔فرہنگ

تمثیل	کوئی واقعہ مثالی انداز میں بیان کرنا
انشا پرداز	مضمون نگار
منظوم	شعر کی صورت میں ڈھالا ہوا
طبع زاد	ذاتی،شخصی
مقفع	وہ تحریر جس میں قافیہ کا استعمال کیا گیا ہو
مسجع	وہ عبارت جو سجائی گئی ہو۔تکلف اور رنگین عبارت

11.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔دکن میں داستان کی روایت کے آغاز پر مفصل اظہارِ خیال کیجیے اور اس کے تاریخی و ادبی پس منظر کو واضح کیجیے۔

۲۔دکنی داستان کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کیجیے کہ اس صنف نے مختلف ادوار میں کس طرح ترقی کی۔

۳۔دکنی داستان کی لسانی اور فنی خصوصیات کو مثالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیجیے۔

۴۔دکن میں داستان گوئی کی روایت اور اس کے سماجی و ثقافتی اثرات پر جامع روشنی ڈالیے۔

۵۔دکنی داستان کے موضوعات و مضامین کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں شامل مافوق الفطرت اور رومانوی عناصر پر اظہارِ خیال کیجیے۔

۶۔دکن میں داستان نگاری پر مقامی زبانوں اور تہذیب کے اثرات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

۷۔دکنی داستان اور شمالی ہند کی داستان کے درمیان فرق کو مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

۸۔دکن میں داستان نگاری کے ابتدائی نمونوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کی ادبی اہمیت کو بیان کیجیے۔

۹۔دکنی داستان میں اسلوبِ بیان، سادگی اور دلکشی کے عناصر کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

11.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔دکن میں اردو داستان کے فروغ میں کن عناصر اور خصوصیات نے اہم کردار ادا کیا؟

سوال۔۲: دکنی داستانوں کا دکن کے سماجی اور تہذیبی ماحول سے کیا تعلق ہے؟

11.8۔جواباتِ سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔دکن کی اردو داستان میں تخیل، رومان، مافوق الفطرت عناصر اور عوامی زبان نے اہم کردار ادا کیا۔ان داستانوں کے ذریعے عوام کی تفریح کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو بھی فروغ ملا۔

جواب۔۲:۔دکنی داستانیں دکن کے سماجی حالات، رسوم و رواج اور عوامی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ان کے ذریعے اس دور کے تہذیبی شعور اور معاشرتی اقدار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

جواباتِ سرگرمی

ا۔تمثیل

۲۔انشائیے

۳۔ملاوجہی

۴۔سب رس

11.9۔امدادی کتب:۔

ا۔ گیان چند جین اردو کی نثری داستانیں

۲۔ وقار عظیم ہماری داستانیں

۳۔ کلیم الدین احمد اردو زبان اور فن داستان گوئی

سبق نمبر۔۱۲: ولی دکنی کی سوانح حیات

ساخت:۔

12.0۔ اغراض ومقاصد

12.1۔ تعارف

12.2۔ ولی دکنی کی حالاتِ زندگی

12.3۔ولی دکنی کی ادبی خدمات کی اہم خصوصیات

12.4۔عمومی جائزہ

12.5۔ فرہنگ

12.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

12.6۔ مشقی سوالات

12.7۔ مشقی سوالات کے جوابات

12.8۔سرگرمی/اپنی پیش رفت جانچیں

12.9۔ امدادی کتب

12.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق ’’ولی دکنی کی سوانح حیات‘‘ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ ولی دکنی کی زندگی کے مختلف ادوار، ان کے

خاندانی پس منظر، تعلیم وتربیت اورادبی سفر کی تفصیلات کو گہرائی سے سمجھ سکیں، دکن سے دہلی تک ان کے سفر کے ادبی اثرات اوراردو شاعری میں آنے والی انقلابی تبدیلیوں کا شعور حاصل کرسکیں، ان کی شاعری میں عشق، تصوف، سادگی اور فطری جذبات کے اظہار کو پہچانتے ہوئے اس کے فکری اور جمالیاتی پہلوؤں کا تجزیہ کرسکیں، ان کے کلام میں استعمال ہونے والی زبان، محاورات اور طرزِ بیان کی خصوصیات کو سمجھ سکیں اور مشکل الفاظ وتراکیب کی وضاحت کے ذریعے متن کی تہہ تک پہنچ سکیں، اردو غزل کی ترقی میں ان کے کردار اور بعد کے شعرا پر ان کے اثرات کا جائزہ لے سکیں، اور اس بنیاد پر ان کے ادبی مقام ومرتبے کا تنقیدی انداز میں تعین کرسکیں، نیز آپ میں ادبی متون کو سمجھنے، بیان کرنے اور ان پر تنقیدی رائے قائم کرنے کی صلاحیت اس حد تک بہتر ہوجائے گی کہ آپ اردو شاعری خصوصاً غزل کے ارتقائی مراحل کو مربوط انداز میں بیان کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

12.1۔تعارف:۔

ولی دکنی کا اصل نام ولی محمد تھا اور ان کا لقب شمس الدین تھا۔ وہ 1668ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 1720-1725ء کے درمیان احمد آباد میں ہوئی۔ ان کے وطن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہلِ دکن انہیں اورنگ آبادی کہتے ہیں جبکہ بعض اہلِ گجرات انہیں گجراتی قرار دیتے ہیں۔ ان کے والد کا نام شریف محمد تھا اور انہوں نے شیخ نورالدین سے علم وفیض حاصل کیا۔

ولی دکنی نے 1112ھ مطابق 1700ء میں اپنے دوست سید ابوالمعالی کے ساتھ دہلی کا سفر کیا، جہاں ان کی ملاقات سعداللہ گلشن سے ہوئی۔ سعداللہ گلشن نے انہیں مشورہ دیا کہ دکنی الفاظ کم استعمال کریں اور فارسی کے شیریں الفاظ اختیار کریں، نیز فارسی شاعری کے مضامین کو اپنی زبان میں بیان کریں۔ ولی مغلیہ دور میں دہلی گئے اور صرف ایک ہی بار دہلی کا سفر کیا۔ 1719ء میں ان کا دیوان دہلی پہنچا، جس کے بعد وہاں اردو شاعری کو باقاعدہ فروغ حاصل ہوا۔ ولی کا دیوان اردو کا پہلا باقاعدہ دیوان مانا جاتا ہے، جس کا قلمی نسخہ پیرس میں موجود ہے اور اسے پہلی مرتبہ لندن سے شائع کیا گیا۔ کلیاتِ ولی کو پہلی بار 1833ء میں فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی نے شائع کیا، بعد میں 1927ء میں احسن مارہروی اور 1989ء میں نورالحسن ہاشمی نے بھی اسے مرتب کیا۔ ولی نے اپنے دیوان میں اپنے ہندو اور مسلم دوستوں کا ذکر بھی کیا ہے، جن میں امرت لال، گوبند لال، سید ابوالمعالی، شمس الدین، سراج، کاملو اکمل اور محمد یار خاں شامل ہیں۔ ان کے ہم عصر شاعر فراقی تھے۔ ولی کا شمار اردو کے عظیم

شعرا میں ہوتا ہے اور انہیں ''اردو کا چاسر'' کہا جاتا ہے محمد حسین آزاد نے ولی کو اردو شاعری کا ''بابا آدم'' اور ''شاعرِ قدرت'' قرار دیا، جبکہ میر نے انہیں ریختہ کا استاد اور مسلم الثبوت شاعر کہا۔ اس طرح ولی دکنی اردو شاعری کے ارتقا میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

12.2۔ ولیؔ دکنی کی حالاتِ زندگی:۔

ولیؔ دکنی کا اصل نام ولی محمد تھا۔ ولیؔ تخلص اور شمس الدین لقب تھا۔ ولیؔ اورنگ آباد میں 1668 میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش سے متعلق محققین میں اختلاف رائے پائے جاتی ہے۔ اورنگ آباد کے ساتھ ساتھ اہل گجرات نے آپ کا مسکن احمد آباد کو بھی ٹھہرایا ہے۔ ولیؔ دکنی کے والد کا نام شریف محمد تھا۔ ولیؔ اپنے تخلص اور وطن کے متعلق ایک شعر میں یوں فرماتے ہیں:۔

ولیؔ ایران و توران میں ہے مشہور

اگر چہ شاعر ملک دکن کا ہے

ولیؔ دکنی کی سن وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ولیؔ کا انتقال ۱۷۲۰ء سے ۱۷۲۵ء کے درمیانی عرصے میں احمد آباد میں ہوا ہے۔ ولیؔ نے شیخ نورالدین سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اورنگ زیب کے دور حکومت میں ولیؔ دکنی نے ۱۷۰۰ء میں سید ابوالمعالی کے ہمراہ دہلی کا سفر کیا۔ جہاں سعداللہ گلشن سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات اردو ادب کی تاریخ کا سنہری لمحہ تھا جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زبان و ادب کا رخ بدل دیا۔ سعداللہ گلشن نے ولیؔ کا کلام سن کر ان کو کچھ مشورے دیے۔ جن میں انہوں نے ولیؔ کو دکنی الفاظ کم کر کے فارسی کے شیریں الفاظ استعمال کرنے اور فارسی شاعری کے مضامین کو اپنی زبان میں ادا کرنے کے مشورے دیے۔ یہ بات ولیؔ کے دل کو ایسی لگی کہ اس نے اپنا رنگ سخن فارسی روایت کے مطابق ڈھال کر اردو کے سامنے ایک نیا راستہ کھول دیا۔ ولیؔ نے دکن لوٹنے کے بعد اپنا دیوان مکمل کیا اور بقول مصحفی ان کا دیوان ۱۷۱۹ء کو دہلی پہنچا۔ جہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

بقول محمد حسین آزاد: ''اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا، قدردانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا لذت سے زبان نے پڑھا۔ گیت موقف ہوگئے۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہی کی غزلیں گانے لگے۔ ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے۔ جو طبیعت موزوں رکھتے تھے انھیں

دیوان بنانے کا شوق ہوا‘‘ دہلی میں شعرانے فارسی چھوڑ کر وؔلی کے رنگ سخن کی پیروی شروع کی اور اس طرح نئی شاعری کا آغاز ہوا۔اسی بنا پر وؔلی کو اردو شاعری کا ’’بابا آدم‘‘اور’’چاسر‘‘ کہا جاتا ہے۔دہلی کے بعد دکنی شاعری خاص طور پر دکنی غزل کا دور وؔلی پر آ کر ختم ہوتا ہے۔وؔلی جدید اردو کے صاحب طرز ،سخنور اور غزل گو تھے۔دکنی غزل کی روایت جو محؔمود، فیرؔوز اور خیاؔلی سے ہوتی ہوئی حسن شوؔقی تک پہنچ کر اس دور کے تہذیبی تقاضوں کو پورا کر رہی تھی، وؔلی کی تاریخ ساز غزل گوئی نے شمال اور جنوب کی تہذیبوں کو یکجا کر کے غزل کو نیا معیار عطا کیا۔

12.3۔ولی دکنی کی ادبی خدمات کی اہم خصوصیات۔

ولی دکنی کی ادبی خدمات اردو ادب کی تاریخ میں نہایت اہم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔انہوں نے ایسے دور میں شاعری کی جب اردو زبان ابھی اپنی ابتدائی تشکیل کے مراحل سے گزر رہی تھی اور فارسی زبان کا غلبہ تھا۔ولی دکنی نے نہ صرف اردو کو اظہار کا ذریعہ بنایا بلکہ اسے ایک باقاعدہ ادبی زبان کے طور پر بھی منوایا۔ان کی سب سے بڑی ادبی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے اردو غزل کو ایک مستقل اور باوقار صنفِ ادب کی حیثیت دلانے کے ساتھ ساتھ کلیاتِ ولی یادگار چھوڑا۔کلیاتِ ولی میں چھ قصائد ہیں،اس کلیات میں تقریباً3500 اشعار،404 غزلیں اور 26 رباعیات شامل ہیں۔انہوں نے ایک فارسی رسالہ ’’نورالمعرفت‘‘ بھی تحریر کیا ولی سے پہلے بھی اردو دکنی میں شاعری موجود تھی،لیکن وہ زیادہ تر محدود دائرے میں تھی اور اسے وہ ادبی وقعت حاصل نہ تھی جو فارسی کو حاصل تھی۔ولی نے اپنی شاعری کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اردو زبان بھی اعلیٰ درجے کے خیالات اور جذبات کے اظہار کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔انہوں نے عام فہم زبان میں عشق،حسن، جذبات اور انسانی احساسات کو اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ اردو شاعری کو ایک نئی سمت اور شناخت ملی۔ان کی ادبی خدمات کا ایک اہم پہلو ان کا دہلی کا سفر ہے۔جب وہ 1700ء کے قریب دہلی پہنچے اور وہاں اپنی غزلیں سنائیں تو اہلِ دہلی حیران رہ گئے۔اس وقت دہلی میں فارسی کو ہی اعلیٰ ادب کی زبان سمجھا جاتا تھا اور اردو کو حقارت سے ’’ریختہ‘‘ کہا جاتا تھا،اور گری پتی زبزن سمجھا جاتا تھا،لیکن ولی کے کلام نے اس تصور کو بدل دیا۔ان کی غزلوں کی سادگی، روانی اور تاثیر نے دہلی کے شعرا کو بے حد متاثر کیا۔یہی وجہ ہے کہ جب 1719ء میں ان کا دیوان دہلی پہنچا تو اسے بے حد پذیرائی حاصل ہوئی اور اردو شاعری کو وہاں باقاعدہ فروغ ملا۔ولی کی ایک اور بڑی ادبی خدمت ان کا دیوان ہے، جو اردو کا پہلا باقاعدہ دیوان مانا جاتا ہے۔جس کا قلمی نسخہ پیرس میں موجود ہے، یہ دیوان پہلی مرتبہ لندن سے شائع ہوا تھا۔اس دیوان میں سینکڑوں غزلیں شامل ہیں،جن میں سادگی،سلاست اور

فطری جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔ان کے دیوان میں دومختصر مثنویاں شامل ہیں، پہلی بغیرعنوان کے 31 اشعار پر اور دوسری "درتعریف شہر صورت 47 اشعار پر مشتمل ہے جس میں صورت شہر کی تعریف کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک مثنوی'' شاہ جیہہ الدین'' کے بارے میں بھی لکھی ہے۔۔ان کے دیوان نے نہ صرف اردو شاعری کو مقبول بنایا بلکہ آنے والے شعرا کے لیے ایک نمونہ اور معیار بھی قائم کیا۔ان کے دیوان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد بہت سے شعرا نے اپنے دیوان مرتب کیے اور اردو شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ولی دکنی نے اپنی شاعری میں زبان و بیان کے حوالے سے بھی اہم خدمات انجام دیں۔انہوں نے فارسی اور ہندی الفاظ کو نہایت مہارت کے ساتھ یکجا کیا اور ایک ایسی زبان تشکیل دی جو نہ صرف دلکش تھی بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی قابلِ فہم تھی۔ اس امتزاج نے اردو کو ایک ہمہ گیر زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ان کی شاعری میں مقامی رنگ، تہذیب اور ثقافت کی جھلک بھی ملتی ہے، جو اسے اور بھی جاندار بنا دیتی ہے۔ان کی ادبی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کے موضوعات کو وسعت دی۔ اگرچہ ان کی شاعری کا مرکزی موضوع عشق و محبت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تصوف، انسانی جذبات، فطرت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری میں شامل کیا۔ وہ فلسفۂ وحدتِ الوجود کے قائل تھے اس لیے ان کے کلام میں روحانیت اور فکری گہرائی بھی پائی جاتی ہے۔اس طرح انہوں نے اردو شاعری کو صرف جذباتی اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے فکری اور روحانی وسعت بھی عطا کی۔ ولی دکنی کی ایک اور نمایاں خدمت ان کی شاعری کی موسیقیت اور ترنم ہے۔ان کے اشعار میں ایک فطری نغمگی پائی جاتی ہے جو پڑھنے اور سننے والے کو متاثر کرتی ہے۔انہوں نے الفاظ کے انتخاب اور ترتیب میں اس قدر مہارت دکھائی کہ ان کے اشعار خود بخود ایک دھن میں ڈھل جاتے ہیں۔اس خصوصیت نے اردو غزل کو نہ صرف ادبی بلکہ سماعتی حسن بھی عطا کیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام محفلوں میں پڑھا اور گایا جانے لگا۔ان کی ادبی خدمات کا اثر بعد کے تمام بڑے شعرا پر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔میر تقی میر جیسے عظیم شاعر نے بھی ان کے اثر کو تسلیم کیا اور انہیں ریختہ کا استاد قرار دیا۔اسی طرح محمد حسین آزاد نے انہیں اردو شاعری کا'' بابا آدم'' کہا اور ان کے مقام کو نہایت بلند قرار دیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولی دکنی نے اردو شاعری کی بنیاد مضبوط کی اور آنے والے شعرا کے لیے ایک واضح راستہ متعین کیا۔

مختصر یہ کہ ولی دکنی کی ادبی خدمات ہمہ جہت اور دوررس اثرات کی حامل ہیں۔ ولی دکنی سے پہلے دکن میں غزل کا تصور محدود تھا اور اس کے لغوی معنی یعنی عورتوں سے گفتگو کرنا یا ان کے بارے میں بات کرنا ہی غالب تھا۔اس دور کی غزل زیادہ تر سطحی جذبات اور ظاہری عشق تک محدود تھی۔ ولی دکنی نے اس محدود دائرے کو وسعت دی اور غزل میں زندگی کے رنگا رنگ تجربات، داخلی کیفیات، احساسات اور وارداتِ قلبی کو

شامل کیا۔ یوں انہوں نے غزل کو محض ظاہری عشق کی بجائے ایک گہری اور بامعنی صنف بنا دیا۔غزل میں معشوق کے سراپا) حسن و جمال (کا بیان ایک مقبول روایت رہی ہے۔ ولی دکنی نے بھی اس روایت کو اپنایا،لیکن ان کے ہاں سنجیدگی، شائستگی اور لطافت نمایاں ہے۔انہوں نے حسن کی تصویرکشی میں اعتدال اور وقار کو برقرار رکھا اور اسے ابتذال سے محفوظ رکھا۔ولی کی غزلوں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں بوالہوسی کے بجائے پاکیزگی اور خلوص کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ان کے یہاں عشق محض جذباتی نہیں بلکہ ایک مہذب اور باوقار احساس کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اسی طرح ولی دکنی کی شاعری میں وفاداری بشرطِ استواری کا جذبہ بھی واضح نظر آتا ہے، جوان کے عشق کو ایک مضبوط اور سنجیدہ بنیاد فراہم کرتا ہے۔انہوں نے اردو زبان کو ایک ادبی زبان کے طور پر مستحکم کیا،غزل کو فروغ دیا، زبان و بیان میں جدت پیدا کی،موضوعات میں وسعت دی اور اپنی شاعری کے ذریعے اردو ادب کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ان کی خدمات کے بغیر اردو شاعری کی تاریخ ادھوری سمجھی جاتی ہے،اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی ولی دکنی کا نام زندہ و جاوید ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ولی دکنی کی سوانح حیات کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 12.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے۔

۱۔ وؔلی دکنی کا اصل نام ولی محمد تھا۔ وؔلی تخلص اور شمس الدین لقب تھا۔

۲۔ وؔلی دکنی نے ۱۷۰۰ء میں سید ابوالمعالی کے ہمراہ دہلی کا سفر کیا۔ جہاں سعد اللہ گلشن سے ان کی ملاقات ہوئی۔

۳۔ وؔلی کو اردو شاعری کا ’’بابا آدم‘‘ اور ’’چاسر‘‘ کہا جاتا ہے۔

۴۔ وؔلی دکنی کے والد کا نام شریف محمد تھا۔

۵۔ وؔلی نے دکن واپس آنے کے بعد اپنا دیوان مکمل کیا اور بقول مصحفی ان کا دیوان ۱۷۱۹ء کو دہلی پہنچا۔

12.4۔خلاصہ / عمومی جائزہ:۔

ولی دکنی اردو شاعری کے اہم اور اثر انداز شاعر ہیں جنہوں نے اردو غزل کو نئی پہچان دی۔ان کی شاعری میں زبان کی سادگی، فکری گہرائی اور فنی شعور نمایاں ہے۔ولی نے عروض اور لفظیات میں نئے تجربات کیے اور دکنی روایت کو مضبوط بنایا۔ان کی شاعری نے شمالی ہند کے شعرا پر گہرا اثر ڈالا اور اردو غزل کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ولی دکنی اردو شاعری کے اولین اور عظیم شاعر ہیں جنہیں بجا طور پر ''اردو کا چاسر'' کہا جاتا ہے۔ان کا اصل نام ولی محمد اور لقب شمس الدین تھا۔وہ 1668ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے جبکہ ان کی وفات 1720ء کے قریب احمد آباد میں ہوئی۔ان کے وطن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض انہیں اورنگ آبادی اور بعض گجراتی قرار دیتے ہیں۔ان کے والد کا نام شریف محمد تھا اور انہوں نے شیخ نورالدین سے فیض حاصل کیا۔ولی نے 1700ء میں اپنے دوست سید ابوالمعالی کے ساتھ دہلی کا سفر کیا، جہاں ان کی ملاقات سعداللہ گلشن سے ہوئی۔گلشن کے مشورے پر انہوں نے فارسی الفاظ اور مضامین کو اپنی شاعری میں شامل کیا۔جب 1719ء میں ان کا دیوان دہلی پہنچا تو اردو شاعری کو نئی زندگی ملی اور اہلِ دہلی نے اسے بے حد پسند کیا۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کے فروغ کا سہرا ولی کے سر ہے۔میر تقی میر نے بھی اعتراف کیا کہ وہ ریختہ گوئی میں ولی کے مرہونِ منت ہیں، جبکہ محمد حسین آزاد نے انہیں اردو شاعری کا ''بابا آدم'' قرار دیا۔ولی کا دیوان اردو کا پہلا باقاعدہ دیوان مانا جاتا ہے، جس میں تقریباً 3500 اشعار، 404 غزلیں، 26 رباعیات اور چھ قصائد شامل ہیں۔ان کے دیوان میں مثنویاں بھی شامل ہیں، جن میں ''در تعریف شہر سورت'' خاص طور پر اہم ہے۔ان کا دیوان پہلی مرتبہ لندن سے شائع ہوا اور اس کا قلمی نسخہ پیرس میں محفوظ ہے۔ولی بنیادی طور پر حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ان کی شاعری میں محبوب کے حسن، اس کے سراپا، زلف، آنکھوں، لب و رخسار اور قد و قامت کی نہایت دلکش تصویر کشی ملتی ہے۔وہ محبوب کے حسن کو اس قدر مکمل سمجھتے ہیں کہ اسے انوری کے قصیدے سے تشبیہ دیتے ہیں:

تو تو سر سوں قدم تلک اے شوخ — گویا ہے قصیدہ انوری کا

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل روسوں — خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

ان کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت اس کا نشاطیہ پہلو ہے۔اگرچہ وہ ہجر کا ذکر کرتے ہیں، مگر اصل میں وہ وصال کے شاعر ہیں اور ان کے یہاں خوشی، شادابی اور سرور کی کیفیت غالب رہتی ہے۔وہ عشق پیشہ شاعر ہیں اور ان کے نزدیک عشق خواہ حقیقی ہو یا مجازی، دونوں اہم ہیں

شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ولی ایک صوفی بھی تھے اور فلسفۂ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ان کے نزدیک کائنات میں ہر شے خدا کی ذات کا عکس ہے اور اس کا حسن ہر جگہ جلوہ گر ہے:۔دیکھیے اس مضمون کے چند شعر

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا بغیر از دیدہ حیران نہیں جگ میں نقاب اس کا

ہوا ہے مجھ پہ شمع بزم یک رنگی سے یو روشن کہ ہر ذرّے اُپر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد طالب عشق ہوا پر دہ انسان میں آ

ولی دکنی عشقِ حقیقی کو ایک پردے کے طور پر پیش کرتے ہیں، جس کے ذریعے انسان حقیقتِ مطلقہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ان کے نزدیک عشق صرف ایک جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک روحانی وسیلہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی پہچان تک لے جاتا ہے۔وہ فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے، جیسا کہ دیگر صوفیا کا بھی یہی عقیدہ رہا ہے۔اس نظریے کے مطابق حقیقی وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، جبکہ باقی ساری کائنات اسی کے وجود کا عکس یا پرچھائیں ہے۔اگر انسان ان ظاہری صورتوں میں الجھ کر اصل حقیقت کو نہ پہچان سکے تو یہ اس کی اپنی کمزوری ہے، ورنہ حقیقت کا حسن ہر طرف نمایاں اور آشکار ہے۔ولی کے کلام میں اس تصور کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا حسن پوری کائنات میں بے نقاب ہے اور ہر شے میں اسی کی تجلی نظر آتی ہے۔انسان اگر غور کرے تو ہر ذرّے میں اسی نور کی چمک محسوس کرسکتا ہے۔اسی طرح ان کے بعض اشعار میں یہ خیال بھی ملتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اسی ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔انسان جب عشق کے راستے پر گامزن ہوتا ہے تو وہ ظاہری پردوں کو ہٹا کر اس اصل حقیقت کو دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔اس سفر میں انسان اپنی ذات سے بلند ہو کر ایک ایسی کیفیت تک پہنچتا ہے جہاں اسے ہر طرف ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔

مختصر یہ کہ ولی دکنی کے ہاں عشقِ حقیقی اور وحدت الوجود کا تصور نہایت خوبصورتی سے یکجا ہو جاتا ہے، جہاں کائنات کی ہر شے اللہ کی

ذات کا مظہر بن کر سامنے آتی ہے اور انسان کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔شمالی ہند میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز دراصل ولی دکنی کے دیوان کی آمد کے بعد ہوتا ہے۔اس سے پہلے اردو زبان میں منظّم شاعری کا کوئی مضبوط سلسلہ نظر نہیں آتا،سوائے چند ہندی دوہوں کے۔جب 1720ء میں ولی دکنی کا دیوان دہلی پہنچا تو اہلِ دہلی اس کلام کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے کہ ریختہ جیسی زبان میں بھی اتنی اعلیٰ درجے کی شاعری ممکن ہے۔چنانچہ لوگوں نے ولی کے دیوان کو بڑی دلچسپی اور شوق سے قبول کیا۔ولی کے اثر سے دہلی کے شعرا نے بھی اردو میں غزل کہنا شروع کیا اور ان کے اسلوب کو اپناتے ہوئے شاعری کی۔اس طرح ولی دکنی نے شمالی ہند میں اردو شاعری کی بنیاد کو مضبوط کیا اور اسے ایک نئی سمت عطا کی۔یہی سبب ہے کہ میر تقی میر سے پہلے ولی دکنی کے کلام کو وہی مقام حاصل تھا جو بعد میں میر کے کلام کو ملا۔اس کے علاوہ ولی دکنی نے اپنی شاعری میں عربی اور فارسی الفاظ کو شامل کر کے اس دور کی زبان کو ایک نیا رنگ اور نیا انداز بخشا،جس سے اردو زبان کی ترقی میں نمایاں اضافہ ہو

12.4۔فرہنگ:۔

اکتساب فیض	علم،ہنر یا روحانی نور کو حاصل کرنا
موقف	کھڑے ہونے کی جگہ،مقام،(مجازاً) نقطہ،زاویہ،انداز فکر
ارباب نشاط	گانے بجانے اور ناچنے والے

12.5۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔ولؔی دکنی کی ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے اور اردو غزل کے فروغ میں ان کے کردار کو واضح کیجیے۔

۲۔ولؔی دکنی کی شخصیت اور شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کے مقام و مرتبہ پر مفصل اظہارِ خیال کیجیے۔

۳۔ولؔی دکنی کو بابائے آدم

۴۔ولؔی دکنی کے کلام کے اثرات شمالی ہند کی ادبی فضا پر کس طرح مرتب ہوئے؟تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔

۵۔ولی دکنی کی سوانح حیات اوران کے ادبی کارناموں کو یکجا کرتے ہوئے ان کی مجموعی ادبی اہمیت پر مفصل روشنی ڈالیے۔

۶۔ولی دکنی کی سوانح حیات کوتفصیل سے بیان کیجیےاوران کے عہد کے ادبی وتہذیبی حالات پر روشنی ڈالیے۔

۷۔ولی دکنی کے حالاتِ زندگی کا جامع جائزہ لیتے ہوئے واضح کیجیے کہ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں نے ان کی شاعری کو کس طرح متاثر کیا۔

۹۔ولی دکنی کے عہد کے سماجی،تہذیبی اورادبی ماحول کا جائزہ لیجیے؟

12.6۔مشقی سوالات:۔

سوال ا:۔ ولی دکنی کواردو شاعری میں رجحان ساز شاعر کیوں کہا جاتا ہے؟

____

____

____

____

____

____

سوال۲:۔ ولی دکنی کے دہلی آنے سے اردو شاعری پر کیا اثر پڑا؟

____

____

____

12.7۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔۱: ولی دکنی نے اردو غزل کو نیا ذوق اور نیا انداز عطا کیا۔ ان کی شاعری سے متاثر ہو کر شمالی ہند کے شعرا نے اردو میں شاعری کرنا شروع کی۔

جواب۲:۔ ولی دکنی کے دہلی پہنچنے پر وہاں کے شعرا ان کی شاعری سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد دہلی میں اردو شاعری کو فروغ ملا اور فارسی کے بجائے اردو میں شاعری کا رواج بڑھا۔

12.8۔ امدادی کتب:۔

۱۔	ڈاکٹر سید ظہور الدین مدنی	اردو غزل ولی تک، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنس بلڈنگ بمبئی
۲۔	ڈاکٹر عبادت بریلوی	ولی اورنگ آبادی ، ادارہ ادب تنقید، لاہور، ۱۹۸۱ء
۳۔	ڈاکٹر سید ظہور الدین مدنی	ولی گجراتی، ادبی پبلیشرز بمبئی، ۱۹۷۴ء
۴۔	ناصر کاظمی	انتخاب ولی، آغاز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۱ء
۵۔	نور الحسن ہاشمی	ریختہ ولی یعنی دیوان ولی کا انتخاب، نسیم بک ڈپو آمین آباد لکھنو ۱۹۷۶ء

سبق نمبر۔۱۳: ولؔی دکنی کی شعری خدمات

ساخت:۔

13.0۔ اغراض ومقاصد
13.1۔ تعارف
13.2۔ ولؔی کی شاعری کی خصوصیات
13.3۔ ولؔی کی زبان واسلوب
13.4۔ عمومی جائزہ
13.5۔ فرہنگ
13.6۔ نمونہ امتحانی سوالات
13.7۔ مشقی سوالات
13.8۔ مشقی سوالات کے جوابات
13.9۔ امدادی کتب

13.0۔اغراض ومقاصد:۔

عزیز طلبہ وطلبات:۔اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ ولی دکنی کی شعری خدمات اوران کے ادبی

کارناموں کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور یہ واضح کر سکیں کہ انہوں نے اردو شاعری کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے میں کیا کردار ادا کیا۔آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ ولی دکنی نے دکن اور شمالی ہند کے ادبی رابطے کو کس طرح فروغ دیا اور اردو شاعری کو ایک نئی سمت عطا کی۔آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ ولی دکنی کے کلام کی بنیادی خصوصیات جیسے سادگی، سلاست، شیرینی، موسیقیت اور دلکشی کو پہچان سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ ان کی شاعری میں عشق، حسن اور انسانی جذبات کو کس خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔مزید یہ کہ آپ ان کے اسلوبِ بیان اور زبان کے استعمال کا تجزیہ کر سکیں گے، جس میں دکنی اور فارسی عناصر کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔اس کے ساتھ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ ولی دکنی کے دیوان کی اشاعت نے دہلی میں اردو شاعری کے فروغ میں کس قدر اہم کردار ادا کیا اور کس طرح ان کے اثر سے وہاں کے شعرا نے اردو میں شاعری کی طرف توجہ دی۔آپ ان کی ادبی خدمات کے اثرات اور ان کے بعد آنے والے شعرا پر ان کے اثر کو بھی بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔مزید برآں آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ ولی دکنی کے اردو ادب میں مقام کا تعین کر سکیں، ان کی اہمیت کو واضح کر سکیں اور یہ بتا سکیں کہ انہیں ''اردو کا چاسر'' کیوں کہا جاتا ہے۔مختصر یہ کہ اس موضوع کے بعد آپ ولی دکنی کی شعری خدمات، ان کے فنی و فکری پہلوؤں اور اردو ادب میں ان کی اہمیت کو جامع انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

13.1۔تعارف:۔

ولی کو اردو شاعری کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چاسر کو انگریزی کے ساتھ اور رودکی کو فارسی کے ساتھ۔ولؔی کی شاعری کا کل سرمایہ کلیات کی شکل میں محفوظ ہے۔نورالحسن ہاشمی کے مرتب کردہ ''کلیات ولؔی'' سے قبل ولؔی دکنی کے جتنے بھی کلیات یا دیوان تحقیق و تدوین کے بعد منظر عام پر آچکے تھے، وہ سب بقول اختر جونا گڑھی ناقص اور نامکمل تھے۔جن کی ترتیب میں قدیم مخطوطات سے استفادہ نہیں کیا گیا تھا۔حالانکہ مولانا احسن مارہروی والے مرتبہ ''کلیات ولؔی'' میں دیگر مراتبین کے مقابلے متن کی صحت کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔اس کے باوجود اس میں طباعت کی بہت سی غلطیاں راہ پا گئی تھیں، اور دوسرا یہ کہ ''بعض دوسرے شعرا کی غزلیں یا اشعار بھی اس میں شامل ہو گئے تھے''۔انہی وجوہات کی بنیاد پر بابا اردو مولوی عبدالحق کے مشورے سے نورالحسن ہاشمی نے کلیات ولؔی کی از سرِ نو تصحیح و ترتیب کا ذمہ لیا اور تقریباً دو سال کی مسلسل محنت کے بعد 1945ء میں اسے شائع کیا۔ولؔی کی کلیات میں مثنوی، قصیدے، قطعات، خمسے سب کچھ موجود ہیں۔لیکن جس صنف نے انہیں شہرت بخشی وہ غزل ہے۔

ولؔی نے فارسی نثر میں ایک رسالہ نور المعرفت کے نام سے ایک مدرسہ ہدایت بخش نامی کی تعریف میں لکھا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آج کی غزل ولؔی دکنی کی احسان مند ہے جس نے اسے مضبوط بنیادیں اور تقویت بخشی ۔ولؔی کے کلام میں بے شمار اور بے پناہ خوبیاں موجود ہیں۔ان کی شاعری ہلکی پھلکی اور رواں ہے۔اس میں نرمی گھلاوٹ اور شیرینی ملتی ہے۔ان کے یہاں جذبہ صادق کی جو ترجمانی کی گئی ہے وہ انہیں انفرادی رنگ عطا کرتی ہے۔ذیل میں ولؔی کی شاعری کی چند نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

13.2۔ولؔی کی شاعری کی خصوصیات:۔

تصوف:۔اردو شاعری میں بطور خاص غزل میں ابتدا سے ہی مسائل تصوف کے بیان کا رواج رہا ہے۔اس سلسلے میں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک وحدت الشہود کے نظریہ کو مانتے ہیں تو دوسرے وحدت الوجود کے نظریہ کو۔ولؔی کے یہاں تصوف کے موضوعات پر مشتمل جو اشعار ملتے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدت الوجود کے نظریہ سے تعلق رکھتے تھے۔اس نظریہ کے مطابق بقول نور الحسن ہاشمی:۔

> ’’صرف ذات باری ہی کا وجود حقیقی سمجھا جاتا ہے اور ماسوا اللہ کا وجود محض ذہنی اور اعتباری ہے اس لیے دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی بے اعتباری وغیرہ کے مضامین ولؔی کے ہاتھ بھی خوبی اور ایک جذبے کے ساتھ بندے ملتے ہیں"۔

تصوف میں خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ عشق کو سمجھا جاتا ہے اور جہاں عشق ہوگا وہاں حسن کا ہونا ضروری ہے اسی سبب ولؔی کے یہاں ہمیں حسن وعشق کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

عشق :۔ولؔی کی شاعری میں عشق کا تصور بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ ان کا عشق تو انسانی جذبات،جسمانی تقاضوں،ہجر ووصال اور انسانی رشتوں کی جستجو تھا جو صدیوں سے انسان کے دل کی دھڑکن تھے ولؔی دکنی کے خیال میں عشق حقیقی اور عشق مجازی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ وہ دراصل عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ قرار دیتے ہیں۔تصوف اس زمانے کی فکری اور اخلاقی بلندی کا معیار تھا۔تصوف میں قرب الٰہی کا واحد ذریعہ عشق ہے اس لیے اس زمانے میں عشق کا چلن عام ملتا ہے۔عشق ہی کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس حوالے سے چند اشعار دیکھئے:۔

وؔلی جنت منے رہنا نہیں درکار عاشق کوں
جو طالب لا مکاں کا ہے اس سے مسکن سوں کیا مطلب

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

وؔلی کے یہاں عشق مجازی کے جتنے اشعار ملتے ہیں وہ سب دراصل حقیقت تک پہنچنے کے زینے ہیں جسے سمجھنے کے لیے شارب ردولوی کے نزدیک "صاحب دل اور صاحب نظر دونوں ہونا ضروری ہے''۔ اگر اس بات سے اتفاق بھی کر لیا جائے کہ وؔلی کے یہاں بظاہر جو اشعار ہمیں عشق مجازی کے لگتے ہیں وہ بھی اصل میں حقیقی ہی ہیں تو ان غزلوں کا کیا جن میں وؔلی نے اپنے محبوب کے لیے تانیث کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وؔلی کا محبوب ہمارے درمیان کا ایک گوشت پوشت رکھنے والا انسان ہے اس سے متعلق شارب ردولوی کا خیال ہے کہ:-

''یہ سب جلوہ ان کی نگاہ میں اس سجن تک لے جانے والے ہیں جس کی معرفت کے لیے وہ قطرہ سیماب کی طرح بے چین ہے۔''

وؔلی دکنی اپنی شاعری میں محبوب کو مختلف ہندی ناموں سے پکارتے ہیں مثلاً لالن، ساجن، سجن، پیا، پیتم، سندر، موہن، امرت لال، گوپی شیام وغیرہ وؔلی دکنی کے نزدیک وہی لوگ اپنی منزل مراد پا سکتے ہیں جن کا ہادی اور رہبر عشق ہوتا ہے:-

ان نے پایا ہے منزل مقصود
عشق جس کا ہے ہادی و رہبر

ایسا بسا ہے آ کر تیرا خیال جیوں میں
مشکل ہے یوں سو تجکوں اب امتیاز کرنا

مجھ درد پر دوا نہ کرو حکیم کا
بن وصل نہیں علاج برہ کے صفیم کا

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
زلف تیری ہے موج جمنا کی
پاس تل اس کے جیو سناسی ہے

سراپا نگاری :-ولؔی دکنی کو اردو شاعری کا سب سے بڑا سراپا نگار کہا جاتا ہے۔ولؔی سراپا نگاری کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اسی لیے ان کے تغزل میں سراپہ نگاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ محبوب کے حسن یعنی محبوب کی زلف، چشم وآبرو، لب ورخسار، قد وقامت، ناز وادا اور آواز وخوشبو سب کا بیان تفصیل سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:۔

''ولؔی دکنی کا کمال یہ ہے کہ وہ حسن کے مختلف پہلوؤں کی تصویریں ہی نہیں کھینچتے اس کی مصوری بھی کرتے ہیں جو حسن کے اثر سے ان پر طاری ہوتی ہے۔''

سراپا نگاری کی چند مثالیں:-

وہ نازنین ادا میں اعجاز ہے سراپا
خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہے تیرے نین غزالاں سوں کہوں گا

تیرے لباں کے اگے برجا ہے اے پری رو
گر آب زندگانی موج سراب ہووے

جس وقت تبسم میں وہ رنگی دہن اوے
گلزار میں گنچے کے دہن پر سخن اوے

تشبیہات واستعارے:-ولی دکنی کوتشبیہات کے استعمال میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔ولی نے اپنی غزلوں میں تشبیہات کو نرالے انداز میں پیش کیا ہے نمونہ کلام دیکھیے:-

تو سرسوں قدم تلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انواری کا

تیرے مکھ کے چمن کو دیکھنے کوں
مجھے فردوس رضواں یاد آوے

دیگر شعراء کے مقابلے ولی کے یہاں تشبیہات کی ایک طویل فہرست ہے جس سے ولی کے فن کو امتیاز نصیب ہوتا ہے۔مثلاً ان کی تشبیہ کا تنزیہی رجحان، ان کی تشبیہوں میں تنزیہی رجحان کے باوجود اصل خیال کے نقش کا قائم رہنا، ان کی تشبیہوں کا عموماً آرائشی ہونا اور وضاحت کے بجائے ان سے شعر کی خارجی فضا اور رنگ کی نمود، تشبیہ کے طریقوں میں جدت وغیرہ۔

13.3 ۔زبان واسلوب:۔

ولی دکنی نے اپنی شاعری میں ٹھیٹھ زبان کا استعمال کیا ہے۔ان کی شاعری ہندی ڈکشن اور فارسی کا حسین امتزاج ہے۔ولی دکنی نے اپنی غزلوں میں درپن، سمرن، بھوجن، درسن، جودھا، اگن، تمن، سنسار اور پریم جیسے ہندی الفاظ استعمال کیے ہیں۔اور فارسی ترکیبات کا بھی استعمال کیا ہے مثلاً آفتاب طلت، موج تبسم، سرو نازنین، گلزار حسن، شمع بزم وفا، حسن بے حجاب اور دیدہ حیراں وغیرہ۔شعر ملاحظہ فرمائیں:-

کیا ہو سکے جہاں میں تیرا ہمسر آفتاب
تجھ حسن کی اگن کا ہے یک اخگر آفتاب

دیکھا جو تجھ کوں آپ سوں روشن جگت منیں
شرموں لیا نقاب زریں مکھ پر آفتاب

جگ میں ولؔی سو کس کو برابر کہے تیرے
ذرے سوں ہے نزدیک تیرے کمتر آفتاب

مندرجہ بالاخصوصیات کے علاوہ ولؔی کے کلام میں کئی خوبیاں موجود ہیں جن میں سادگی اور سلاست کلام ولؔی کی جان ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کے اشعار میں خطیبانہ انداز ملتا ہے اور ان کی شاعری کا لب ولہجہ ایسا ہے جو عام انسانوں کے لیے مرغوب طبع ہے۔

ولؔی کی غزلوں سے چند مشہور اشعار ملاحظہ فرمائیں:۔

کیتا ہوں تیرے نانوں کو میں ورد زباں کا
کیتاں ہوں تیرے شکر کو عنوان بیاں کا

نالہ و آہ کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سوں
دفتر درد بسا عشق کے دیوان میں آ

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

جب سوں وہ نازنین کی میں دیکھا ہوں چھب عجب

دل میں میرے خیال ہیں تب سوں عجب عجب

اس شعر کی یہ طرح نکالا ہے جب ولی

یو اختراع سن کے رہے دل میں سب عجب

13.4۔خلاصہ / عمومی جائزہ:۔

بحیثیت مجموعی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تمام ناقدین نے ولی کو اردو غزل کا نقاش اول اور امام تسلیم کیا ہے۔ساتھ ہی شاعری کے مروجہ طرز سے الگ ہٹ کر ولی کے لیے اپنی خاص راہ نکالنے کا اعتراف کیا ہے۔غزل کے موضوعات اور اس کی لفظیات میں اضافہ بھی ولی کا اہم کارنامہ ہے۔ولی نے اپنی اجتہادی طبیعت کے سبب شعوری طور پر اردو غزل میں جو وسعت پیدا کی اس سے ہر زمانے میں اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ولی دکنی کی شاعری میں ترنم اور موسیقیت نمایاں خصوصیات کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ان کی بعض غزلوں میں خاص ردیفوں کے استعمال سے ایک خاص آہنگ اور نغمگی پیدا ہو جاتی ہے،مثلاً وہ غزل جس کی ردیف " آہستہ آہستہ " ہے،اس کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ دراصل ان کا پورا دیوان ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جہاں الفاظ کی ترتیب اور انتخاب سے ایک دلکش موسیقیت جنم لیتی ہے۔

جس طرح شاعری میں پیکر تراشی (تصویری حسن ضروری) ہے،اسی طرح ترنم اور موسیقیت بھی نہایت اہم ہیں،کیونکہ ان کے بغیر شعر میں کشش پیدا نہیں ہوسکتی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور شعوری طور پر اپنے کلام کو زیادہ سے زیادہ مترنم بنانے کی کوشش کرتے تھے۔مشہور نقاد کولرج کے مطابق بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب ہی شاعری کی اصل روح ہے،اور ولی کے کلام میں یہ خوبی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔وہ نہ صرف خوبصورت الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں بلکہ ان کو اس انداز سے ترتیب دیتے ہیں کہ معنی بھی واضح ہوں اور آہنگ بھی برقرار رہے۔ولی عام طور پر ایسی ردیفوں اور بحروں کا انتخاب کرتے ہیں جو موسیقیت کو بڑھاتی ہیں۔وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ ہر لفظ اپنی جگہ پر اس طرح آئے کہ مطلوبہ اثر پیدا کرے اور شعر کی خوش آہنگی میں اضافہ ہو۔مثال کے طور پر بعض اشعار میں

لفظ "یہ" کی تکرار سے نہ صرف معنی میں زور پیدا ہوتا ہے بلکہ ترنم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ولی نے تکرارِالفاظ کو بھی بڑی مہارت سے استعمال کیا ہے،جس سے ان کے اشعار میں ایک خاص ردھم اور روانی پیدا ہوجاتی ہے۔ان کے کئی اشعار میں یہ تکرار قاری کو ایک نغمگی کا احساس دلاتی ہے اور شعر کو یادگار بنا دیتی ہے۔

ہر اک سوں مل ،متواضع ہو، سروری یہ ہے
سنبھال کشتی دل کوں ،قلندری یہ ہے

یہاں لفظ "یہ" سے زور پیدا ہو رہا ہے،معنی مطلوب ادا کرنے میں سہولت ہو رہی ہے۔اس کے علاوہ شعر کی موسیقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ولی کا ایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فارسی کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ کا استعمال نہایت ہنرمندی سے کیا اور بقول آزاد "ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا ہے کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے ہیں مگر پیوند میں جنبش نہیں آئی"۔اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی تہذیب بھی اردو شاعری میں داخل ہوگئی۔اس سے اردو شاعری میں مقامی رنگ اور ہندی تہذیب بھی شامل ہو گئی۔ان کے کلام میں گنگا، جمنا، جوگی، ہردوار جیسے الفاظ اور تصورات ملتے ہیں، جو ان کی شاعری کو ایک منفرد رنگ عطا کرتے ہیں۔اس امتزاج کو اس مہارت سے پیش کیا کہ دونوں زبانوں کا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ولی دکنی کے کلام میں ہندی الفاظ کا استعمال خوبصورتی کے ساتھ ملتا ہے اور ساتھ ہی ہندی تہذیب کی دلکش جھلک بھی نمایاں ہوتی ہے۔ولی نے اپنی شاعری میں صرف فارسی اور عربی الفاظ پر انحصار نہیں کیا بلکہ مقامی زبان کے سادہ اور مانوس الفاظ کو بھی بڑی مہارت سے شامل کیا،جس سے ان کے اشعار میں ایک خاص مٹھاس اور اپنائیت پیدا ہوگئی۔ایسے الفاظ استعمال کیے جو نہ صرف زبان کو سادہ بناتے ہیں بلکہ ہندوستانی معاشرت، رسم ورواج اور ثقافت کی واضح تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری محض خیالی دنیا تک محدود نہیں رہتی بلکہ ہندوستانی زندگی کے رنگوں سے بھرپور نظر آتی ہے۔ولی نے ہندی تہذیب کے عناصر کو اردو شاعری میں اس انداز سے سمویا کہ ان کے کلام میں ایک مقامی رنگ پیدا ہوگیا، جو بعد کے شعرا میں کم ہی نظر آتا ہے۔ان کی یہی خصوصیت اردو شاعری کو ایک نئی جہت عطا کرتی ہے اور اسے عوام کے قریب لے آتی ہے۔اشعار ملاحظ ہوں۔

اندوہ و غم کی بات ترے باج بن گئی
آواز میری آہ کی پھرتا گگن گئی
سرمے کا منھ سیاہ کیا اس نے جگ منیں
جس کے نین میں پیو کی خاکِ چرن گئی
اب لگ وؔلی پیا نے دکھایا نہیں درس
جیوں شمع، انتظار میں ساری رین گئی

کوچۂ یار عین کاسی ہے
جوگیِ دل وہاں کا باسی ہے
اے صنم ! تجھ جبیں اُوپر یہ خال
ہندوئے ہردوار باسی ہے
زلف تیری ہے موجِ جمنا کی
تل نزک اس کے جیوں سناسی ہے

اگرچہ ان کے بعض الفاظ آج متروک ہو چکے ہیں، لیکن ان کے بہت سے اشعار آج بھی جدید زبان کا احساس دلاتے ہیں۔

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالعہ مطلعِ انوار کا

ولی نہایت خوبصورتی اور اثر انگیزی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں۔کبھی وہ عشقِ حقیقی، نصیحت، دنیا کی ناپائیداری اور افلاس جیسے موضوعات کو بھی بیان کرتے ہیں۔شاعری میں صرف خیال کی گہرائی ہی اہم نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی موسیقیت اور ترنم بھی نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ایک کامیاب شاعر وہی ہوتا ہے جو الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترتیب کو اس طرح برتے کہ کلام میں خود بخود ایک خوش آہنگی پیدا ہو جائے۔دراصل بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب ہی شعر کو نثر سے ممتاز بناتی ہے۔جب شاعر مناسب اور موزوں الفاظ کو درست مقام پر رکھتا

ہے تو اس کے معنی بھی واضح ہوتے ہیں اور اثر انگیزی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ردیف، قافیہ اور بعض اوقات الفاظ کی تکرار بھی کلام میں ایک خاص قسم کی لے اور موسیقیت پیدا کرتی ہے، جس سے شعر زیادہ دلنشین ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعری میں مصوری کے ساتھ موسیقی کا عنصر بھی لازم ہے، کیونکہ انہی دونوں کے امتزاج سے شعر میں حسن اور کشش پیدا ہوتی ہے اور قاری یا سامع پر اس کا گہرا اثر قائم رہتا ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ وؔلی کا س راز سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اسی میں وؔلی کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

مختصر یہ کہ ولی دکنی نے اردو غزل کو ایک نئی زندگی عطا کی، اسے عوامی زبان میں پیش کیا اور آنے والے شعرا کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ان کی شاعری میں سادگی، سلاست، موسیقیت، حسن و عشق کی رنگینی اور تصوف کی جھلک ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں ان کا مقام نہایت بلند ہے اور ان کا کلام آج بھی اسی طرح تازہ اور دلکش محسوس ہوتا ہے جیسے اپنے زمانے میں تھا۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے ولی دکنی کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 13.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجئے:۔

ا۔............ نے اپنی شاعری میں ٹھیٹھ زبان کا استعمال کیا ہے۔ ان کی شاعری ہندی ڈکشن اور فارسی کا حسین امتزاج ہے۔

۲۔ وؔلی دکنی نے اپنی............ میں درپن، سمرن، بھوجن، درسن، جودھا، اگن، تمن، سنسار اور پریم جیسے ہندی الفاظ استعمال

۳۔ کیے ہیں۔ اور............ کا بھی استعمال کیا ہے مثلاً آفتاب طلت، موج تبسم، سرو ناز نین، گلزار حسن، شمع بزم وفا، حسن بے حجاب اور دیدہ حیراں وغیرہ۔

۴۔ نور الحسن ہاشمی کے مرتب کردہ ''کلیات وؔلی'' سے قبل۔۔۔۔۔۔ کے جتنے بھی کلیات یا دیوان تحقیق و تدوین کے بعد منظر عام پر آ چکے تھے، وہ سب بقول اختر جونا گڑھی ناقص اور نامکمل تھے

13.5۔فرہنگ:۔

استفادہ فائدہ حاصل کرنا

ازسرنو ابتدا سے،شروع سے

بےثباتی ناپائیداری

معرفت پہچان،گہرا شعور،حقیقت کا عرفان

مرغوب پسندیدہ،دل کو بھانے والا

مروجہ رائج،چلن میں آیا ہوا۔

13.6۔نمونہ امتحانی سوالات

ا۔ شمالی ہند میں اردو غزل کے فروغ میں ولؔی کے کلام کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ ولؔی دکنی کی شاعری میں کن موضوعات اور رجحانات کو نمایاں مقام حاصل ہے؟

13.7۔مشقی سوالات:۔

سوال ا:۔ ولی دکنی کی اردو شاعری کی ادبی خدمات کیا ہیں اور اردو غزل کے فروغ میں ان کا کیا کردار رہا ہے؟

____

____

____

سوال۲:۔ ولی دکنی کی شاعری کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

13.8۔ مشقی سوالات کو جوابات:۔

جواب۔ا:۔ولی دکنی نے اردو غزل کو با قاعدہ ادبی وقار عطا کیا اور اسے فارسی کے اثر سے نکال کر مقامی رنگ و آہنگ سے آشنا کیا۔ان کی شاعری نے شمالی ہند میں اردو غزل کی مقبولیت کی راہ ہموار کی اور بعد کے شعرا کو نئی سمت دی۔

جواب۔۲:۔ولی دکنی کی شاعری میں سادگی، روانی، عشقِ مجازی کے مضامین اور روزمرہ زبان کا استعمال نمایاں ہے۔ان کے اشعار میں جذبات کی سچائی اور دکنی تہذیب کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔

۱۔ولی دکنی

۲۔اپنی غزلوں

۳۔فارسی ترکیبات

۴۔ولی دکنی

13.9۔امدادی کتب:۔

۱۔ ناصر کاظمی — انتخاب ولی، آغاز پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۱ء

۲۔ نورالحسن ہاشمی — ریختہ ولی یعنی دیوان ولی کا انتخاب، نسیم بک ڈپو آمین آباد، لکھنو ۱۹۷۶ء

۳۔ ڈاکٹر سید ظہورالدین مدنی — اردو غزل ولی تک، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ پرنس بلڈنگ بمبئی

۴۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی — ولی اورنگ آبادی ، ادارہ ادب تنقید، لاہور، ۱۹۸۱ء

۵۔ ڈاکٹر سید ظہورالدین مدنی — ولی گجراتی، ادبی پبلیشرز بمبئی، ۱۹۷۴ء

سبق نمبر۔۱۴: سراؔج اورنگ آبادی کی سوانح حیات

ساخت:۔

14.0۔ اغراض ومقاصد

14.1۔ تعارف

14.2۔ سراؔج اورنگ آبادی کی حالاتِ زندگی

14.3۔ سراؔج اورنگ آبادی کی ادبی زندگی

14.4۔ عمومی جائزہ

14.5۔ فرہنگ

14.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

14.7۔ مشقی سوالات

14.8۔سرگرمی/ مشقی سوالات کے جوابات

14.9۔ امدادی کتب

14.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ سراج اورنگ آبادی کی زندگی، شخصیت اور ادبی کارناموں کو بہتر

طور پر سمجھ سکیں، ان کے عہد کے ادبی وفکری ماحول کا ادراک حاصل کر سکیں اور ان کی شاعری کے نمایاں پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔ آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ ان کی پیدائش کہاں ہوئی، انہوں نے کن حالات میں پرورش پائی، ان کی تعلیم وتربیت کن بزرگوں کی نگرانی میں ہوئی اور ان کی زندگی میں تصوف کا کیا کردار رہا۔

اس مطالعے کے ذریعے آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ سراج اورنگ آبادی کی شاعری کے بنیادی موضوعات جیسے عشق، تصوف، داخلی کیفیات اور روحانی تجربات کو پہچان سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ ان کے کلام میں انسانی جذبات اور روحانیت کس طرح باہم مربوط ہیں۔ مزید یہ کہ آپ ان کے اسلوبِ بیان، زبان کی سادگی وتاثیر اور ان کے کلام کی موسیقیت کو بھی سمجھ سکیں گے۔ آپ یہ صلاحیت بھی حاصل کریں گے کہ سراج اورنگ آبادی کے اردو ادب میں مقام کا تعین کر سکیں اور یہ واضح کر سکیں کہ انہوں نے دکنی روایت کو کس طرح آگے بڑھایا اور اردو شاعری میں اپنے لیے ایک منفرد حیثیت کیسے قائم کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ان کی ادبی خدمات، فکری رجحانات اور ان کے کلام کے اثرات کا تنقیدی جائزہ لینے کے قابل بھی ہو جائیں گے۔

14.1۔ تعارف :۔

سراج اورنگ آبادی اردو ادب کے ایک اہم صوفی شاعر تھے۔ جنہوں نے دکن کے علمی وادبی ماحول میں پرورش پائی۔ ان کی پیدائش غالباً 1115ھ تقریباً 1715ء میں اورنگ آباد میں ہوئی اور وفات 1176ھ تقریباً 1763ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے انہیں تعلیم وتربیت حاصل ہوئی اور وہ علمی وادبی ذوق کے حامل بن گئے۔ سراج نے اپنی زندگی کے حالات خود اپنے منتخبِ دیوانہا کے دیباچے میں بیان کیے ہیں۔ کم عمری میں ہی ان پر جذب وشوق کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ کئی برس تک دنیاوی علائق سے بے نیاز ہو کر حضرت شاہ برہان الدین غریب کے مزار کے اطراف میں وجد ومستی کی حالت میں رہتے رہے۔ اسی دوران ان پر فارسی اشعار وارد ہوتے تھے، لیکن اس وقت انہیں محفوظ نہ کیا جا سکا۔ بعد ازاں وہ خواجہ سید شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے مرید ہوئے اور تصوف کی راہ اختیار کی۔ اس زمانے میں ان کے اشعار کو جمع کر کے ایک دیوان مرتب کیا گیا جس میں تقریباً پانچ ہزار اشعار شامل تھے۔ بعد میں انہوں نے فقیری اختیار کی اور مرشد کے حکم سے شاعری ترک کر دی۔ ادبی حیثیت سے سراج نہ صرف ایک شاعر تھے بلکہ ایک نقاد بھی تھے۔ انہوں نے فارسی شعرا کے کلام کا ایک ضخیم انتخاب "منتخبِ دیوان" کے نام سے مرتب کیا، جس

سے ان کے اعلیٰ ذوقِ سخن کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک فارسی دیوان، ایک اردو دیوان اور مثنوی "بوستان خیال" تصنیف کی، جس میں گل و بلبل کے پیرائے میں تصوف اور معرفت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ سراج کی شخصیت نہایت درویشانہ تھی۔ وہ گوشہ نشین، پاکیزہ دل، مسافر نواز اور غریب پرور انسان تھے۔ وہ ہفتہ میں ایک دن محفلِ سماع منعقد کرتے تھے، جس میں علما، مشائخ اور اہلِ ذوق شریک ہوتے تھے اور ان کی غزلیں پڑھی اور گائی جاتیں۔ اس طرح ان کی زندگی اور شاعری دونوں میں روحانیت اور سادگی کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ مختصر یہ کہ سراج اورنگ آبادی کی زندگی اور ادبی خدمات اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف تصوف اور عشق کے مضامین کو فروغ دیا بلکہ اردو شاعری کو فکری گہرائی اور روحانی وسعت بھی عطا کی۔

14.2 ۔سراؔج اورنگ آبادی کی حالاتِ زندگی:۔

نام سراج الدین اور تخلص سراؔج تھا سراؔج اورنگ آباد میں 1715ء میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال بھی اورنگ آباد میں ہی 1763ء میں ہوا۔ سراؔج اورنگ آبادی کا نام دکنی شعرا میں اہم مقام رکھتا ہے۔ سراؔج وؔلی دکنی کے ہم عصر تھے۔ اور وؔلی کے بعد سراؔج کو دکن کا دوسرا بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ وؔلی کے بعد دکن میں سراؔج ہی ایسے شاعر گزرے ہیں، جنہوں نے اردو زبان پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ سراؔج کی شخصیت میں جذب و مستی کی کیفیت تھی۔ ۱۲ سال کی عمر میں وہ بے خودی کے عالم میں گھر سے نکل پڑے اور اپنا زیادہ تر وقت حضرت برہان الدین غریب کے مزار پر گزارتے۔ اور اسی عالم بے خودی میں ان کے منہ سے فارسی کے اشعار بے ساختہ جاری ہوتے۔ 1734ء میں سراؔج شاہ عبدالرحمٰن چشتی سے بیت ہوئے۔ اسی زمانے میں انہوں نے اردو شاعری کا آغاز کیا۔ پانچ چھ سال کی قلیل مدت میں اپنا ضخیم کلیات بھی مرتب کر لیا۔ بعد میں اپنے پیر کے حکم سے شعر گوئی ترک کر دی۔ سراؔج کے یہاں ہفتہ میں ایک روز محفل سماع منعق ہوتی۔ جس میں شہر کے عمائد و مشائخ جمع ہوتے تھے۔ سراج اورنگ آبادی اردو ادب کے وہ شاعر تھے جنہوں نے اپنی درویشانہ زندگی، روحانی کیفیات اور سادہ مگر پُر اثر شاعری کے ذریعے ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ آپ ایک معزز حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس کی وجہ سے سراج کی تربیت مذہبی اور روحانی ماحول میں ہوئی۔ سراج اورنگ آبادی کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کی کم عمری میں ظاہر ہونے والی روحانی کیفیت ہے۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں ہی ان پر جذب اور بے خودی کی حالت طاری ہوگئی تھی۔ یہ کیفیت تقریباً سات برس تک، یعنی 1141ھ سے 1148ھ تک مسلسل جاری رہی۔ اس

عرصے میں وہ اکثر دنیاوی معاملات سے بے نیاز رہتے اور روحانی سرشاری میں مبتلا رہتے تھے۔جس کی وجہ سے ان کی زیادہ تر حاضری شاہ برہان الدین غریب کے مزار پر ہوتی تھی، جو حضرت نظام الدین اولیا کے مرید اور خلیفہ تھے۔سراج اکثر حالتِ بے خودی میں رات بھر صحرانوردی کرتے اور روحانی تجربات سے گزرتے تھے۔یہی وہ دور تھا جس نے ان کی شخصیت کو ایک صوفیانہ رنگ عطا کیا۔جب اورنگ آبادی کی عُمر بیس برس کے قریب تھی، شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے ہاتھ پر بیعت کی۔یہ ان کی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔مرشد کی صحبت نے ان کے روحانی رجحانات کو منظّم کیا اور انہیں ایک باقاعدہ صوفیانہ راستہ عطا کیا۔اسی دور کو سراج کی اردو شاعری کے آغاز اور عروج کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔ان کے کلام میں اس روحانی تجربے کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔سراج کے قریبی دوستوں میں عبدالرسول خان کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو ان کے بچپن کے ساتھی اور نہایت عزیز تھے۔سراج کے کلام میں جگہ جگہ ان کی طرف اشارے ملتے ہیں، جو ان کے گہرے تعلق کی دلیل ہیں۔ان کے خاص معتقدین میں ضیاء الدین پروانہ، شاہ تاج الدین اور شاہ چراغ جیسے افراد شامل تھے، جو ان کی روحانی عظمت اور شخصیت سے متاثر تھے۔سراج اورنگ آبادی نے کئی شاگردوں کی تربیت بھی کی، جن میں ضیاء الدین پروانہ، لارجے کشن بیجان، مرزا مغل کمتر، میر مہدی متین، مرزا محمود خان نثار، محمد عطا ضیا اور محمد رضا بیگ خان شامل ہیں۔ان شاگردوں کے ذریعے ان کی شعری اور فکری روایت آگے بڑھی اور اردو ادب کو نئی جہتیں ملیں۔سراج اورنگ آبادی بنیادی طور پر ایک صاحبِ طبع شاعر تھے۔ان کی شاعری میں عشق، تصوف، معرفت اور داخلی کیفیات کا گہرا اثر ملتا ہے۔تاہم ان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے حکم 1152ھ میں شاعری ترک کر دی۔اس کے باوجود ان کا کلام اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے اور ان کی شعری عظمت مسلم ہے۔سراج کی ذاتی زندگی نہایت سادہ اور درویشانہ تھی۔انہوں نے تمام عمر تنہا گزاری اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔وہ دنیاوی خواہشات سے بے نیاز ہو کر روحانیت اور تصوف میں مشغول رہے۔ان کی زندگی زہد، تقویٰ اور سادگی کی بہترین مثال ہے۔

مختصر یہ کہ سرآج اورنگ آبادی کی زندگی روحانیت، عشق اور ادب کا حسین امتزاج ہے۔وہ ایک ایسے شاعر تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے تجربات کو نہایت سادگی اور خلوص کے ساتھ شاعری میں پیش کیا۔ان کی درویشانہ طبیعت، روحانی وابستگی اور ادبی خدمات انہیں اردو ادب میں ایک نمایاں اور بلند مقام عطا کرتی ہیں۔سراج اورنگ آبادی اپنی زندگی میں نہایت مقبول اور ہر دل عزیز شاعر تھے۔بیان کیا جاتا ہے کہ۔ان کے

پاس روزانہ بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے، جن میں شہر کے معزز افراد، اہلِ علم اور مشائخ شامل تھے۔ ان کی شخصیت کا اثر اس قدر گہرا تھا کہ ان کے ہم عصر شعرا اور اہلِ ادب بھی ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سراج کی شاعری میں سادگی، خلوص اور تاثیر نمایاں ہے، اور انہوں نے اپنے کلام میں عام فہم الفاظ کا استعمال کیا جس سے ان کی غزلیں عوام وخواص دونوں میں مقبول ہوئیں۔ ان کے کلام میں محبوب، جاناں، سجن، من، موہن، پیو اور دوست جیسے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں، جو ان کی شاعری کو دلنشین اور مانوس بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سراج نہ صرف اپنے عہد میں مقبول رہے بلکہ اردو شاعری میں ایک نمایاں اور قابلِ قدر مقام حاصل کر گئے

14.3۔سراج اورنگ کے ادبی کارنامے:۔

سراج اورنگ آبادی اردو ادب کے اہم اور بااثر شعرا میں شمار ہوتے ہیں سراج کا اہم کارنامہ کلیات ہے۔ ان کی کلیات کو پہلی مرتبہ ترتیب دے کر شائع کرنے کا کام مولوی عبدالحق نے انجام دیا، جس سے سراج کے کلام کو باقاعدہ ادبی حیثیت حاصل ہوئی۔ سراج کی کلیات میں گیارہ مثنویاں شامل ہیں جو ان کی فکری اور فنی عظمت کا ثبوت ہیں۔ سراج کی سب سے مشہور مثنوی "بوستانِ خیال" ھ ہے جو ایک عشقیہ مثنوی ہے جس کا سنِ تصنیف 1160 ہے اور 1160 ہی اشعار۔ ہیں اسے سراج کی آپ بیتی کے انداز کی ایک اہم تخلیق سمجھا جاتا ہے۔ بوستانِ خیال میں عاشق اور معشوق دونوں کو علامتی اور رمزی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس کا مرکزی کردار ایک سردار زادہ ہے جو نوجوان، زاہد اور روحانی اوصاف کا حامل ہے جسے یوسفِ ثانی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ معروف نقاد ڈاکٹر عبدالقادر نے بوستان خیال کو شاہکار قرار دیا ہے جبکہ احتشام حسین کے مطابق یہ ایک اہم آپ بیتی نوعیت کی مثنوی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سراج نے اس مثنوی کو نہایت کم وقت، یعنی صرف دو دن میں مکمل کیا۔ اس کے علاوہ مثنوی سوز وگداز، مثنوی مناجات، مثنوی نالۂ ہجر (فراق نامہ)، نامہ شوق، احوالِ فراق، خطِ بندگی، مطلبِ دل، مثنوی حمد باری مثنوی مناجات، مثنوی در نعت حضرت رسالت پناہ ﷺ بھی اہم مثنویاں ہیں۔ کلیاتِ سراج میں 516 غزلیں، 9 رباعیاں، ایک قصیدہ، 5 مستزاد 11 مخمسات، ایک ترجیع بند اور 4 مناجات ہیں شامل ہیں۔ سراج اورنگ آبادی کی ادبی خدمات نہایت وسیع اور ہمہ جہت ہیں، جن میں ان کی مثنویاں، غزلیں اور دیگر اصنافِ سخن نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تخلیقات میں سے متعلق مثنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جو ان کے فکری تنوع اور روحانی رجحان کو ظاہر کرتی ہیں۔ جو ان کی شاعرانہ وسعت اور فنی مہارت کا ثبوت ہیں۔ ان کا منتخب دیوانہا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے،

جسے انہوں نے اپنے آخری زمانے میں (1169/ھ 1755ء) مرتب کیا، اور اس میں فارسی شعرا کے کلام کا نہایت عمدہ انتخاب پیش کیا۔ اس دیوان کا نام بھی تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں ردیف وار اشعار کی ترتیب ان کے تنقیدی شعور اور ذوقِ انتخاب کی عکاسی کرتی ہے۔ اس طرح سراج اورنگ آبادی نہ صرف ایک قادر الکلام شاعر تھے بلکہ ایک عمدہ نقادِ سخن بھی تھے، جنہوں نے اردو ادب کو قیمتی سرمایہ عطا کیا اور اہم تخلیقات پیش کیں جن میں عشق، تصوف اور انسانی جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔ سراج کی مثنویوں میں سادگی، اثر انگیزی اور روحانیت نمایاں ہے اور یہی خصوصیات انہیں اردو ادب میں ایک منفرد اور بلند مقام عطا کرتی ہیں۔

سرگرمی / اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 14.8 حصہ سے رجوع کریں.

خالی جگہ پر کیجئے:۔

ا۔ نام سراج الدین اور تخلص سراؔج تھا سراؔج اورنگ آباد میں پیدا ہوئے

۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو معروف نقاد ڈاکٹر عبدالقادر نے اسے شاہکار قرار دیا ہے

۳۔ ان کا منتخب دیوانہا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے، جسے انہوں نے اپنے آخری زمانے۔۔۔۔۔۔ میں مرتب کیا۔

۴۔ سراج نے اپنے مرشد شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے حکم میں شاعری ترک کردی۔

۵۔ سراج کی وفات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ہوئی۔

14.4۔ عمومی جائزہ:۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ سراؔج ولؔی کے جانشین کے طور پر مشہور ہوئے تھے ۔ ولؔی کے بعد سراؔج کو دکن کا دوسرا بڑا شاعر تسلیم کیا جاتا

ہے۔اورانہوں نے ولؔی کے بعد سب سے زیادہ الفاظ اور استعارات معشوق کے لیے استعمال کیے۔جیسے جانا،سجن،من ہرن،شوخ،چاند،جانی ،موہن،پیو،صنم،یار،دوست،گلبدنو وغیرہ۔سراج اورنگ آبادی کے بارے میں ناقدین اوراہلِ ادب نے مختلف زاویوں سے اظہارِخیال کیا ہے، جوان کی شاعری کی گہرائی اوراثر انگیزی کوواضح کرتا ہے۔ولیم ورڈس ورتھ کےقول کے مطابق شاعری دراصل جذبات کا بے ساختہ اظہار ہے، اوریہی بات سراج کی شاعری پر پوری طرح صادق آتی ہے کیونکہ ان کے کلام میں جذبات خود بخود ڈھل کر الفاظ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔اسی طرح عبدالقادر سروری نے ولی اور سراج کا موازنہ کرتے ہوئے نہایت بلیغ انداز میں کہا کہ اگر مستعار الفاظ لینے کی اجازت ہوتو کہا جاسکتا ہے کہ ولی کی شاعری"واہ"اورسراج کی شاعری" آہ" ہے،یعنی ولی کے ہاں حسن وعشق کی دلکشی اور سرشاری نمایاں ہے جبکہ سراج کے کلام میں درد، سوز اور گہرے جذبات کی کیفیت غالب ہے۔مزید یہ کہ عبدالقادر سروری نے سراج کو" سراپا رہنِ عشق" قرار دیا ہے،جس سے مراد یہ ہے کہ سراج کی پوری شخصیت اورشاعری عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔ان آرا سے واضح ہوتا ہے کہ سراج اورنگ آبادی کی شاعری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ گہرے احساسات،روحانیت اورسوز وگداز کا آئینہ ہے،جس نے انہیں اردو ادب میں ایک منفرد اورممتاز مقام عطا کیا۔

14.5۔فرہنگ:۔

ہم عصر — جوایک ہی عہد میں حیات ہو

بے خودی — اپنے آپ کو بھول جانے کی کیفیت

قلیل — تھوڑی مقدار میں

محفلِ سماع — ایسی محفل جس میں عارفانہ کلام گایا جائے۔

14.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔ سراج اورنگ آبادی کی زندگی پر ایک نوٹ لکھیے؟

۲۔ سراج اورنگ آبادی کی زندگی میں تصوف اور درویشی رجحان نے ان کی شخصیت اور شاعری پر کیا اثر ڈالا؟

14.7۔ مشقی سوالات:۔

سوال ۱:۔ سراج اورنگابادی کی پیدائش، وفات اور تعلیمی و روحانی وابستگی کے بارے میں کیا معلومات ملتی ہیں؟

سوال ۔۲:۔ سراج اورنگ آبادی نے اپنے کلام کے انتخاب اور ترتیب کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟

14.8۔ جواباتِ سرگرمی! مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب ۔۱:۔ سراج اورنگابادی کی پیدائش 1715ء میں اورنگ آباد میں ہوئی اور وفات 1763ء میں ہوئی۔ وہ شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے مرید تھے

اور تصوف کی طرف خاص میلان رکھتے تھے۔ان کی زندگی سادگی اور روحانی رجحان سے عبارت تھی۔

جواب۔۲:۔سراج اورنگ‌آبادی نے 1734ء میں اپنے کلام کا انتخاب خود کیا اور غیر ضروری اشعار کو چھوڑ دیا۔انہوں نے فارسی کلام سے گریز کیا اور سادہ، بامعنی اردو شاعری کو ترجیح دی۔

۱۔1715ء

۲۔بوستانِ خیال

۳۔(1169ھ/1755ء)

۴۔1152ھ

۵۔1763ء

14.9۔امدادی کتب:۔

۱۔	عبدلقادر سروری	سراج اور ان کی شاعری، جامعہ عثمانیہ
۲۔	معیاری ادب نمبر	انتخاب سراج اورنگ آبادی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۱۹۶۹ء

سبق نمبر۔۱۵: سراؔج اورنگ آبادی کی شعری خدمات

ساخت:۔

15.0۔ اغراض ومقاصد

15.1۔ تعارف

15.2۔ سراؔج کی شعری خدمات

15.3۔ سراؔج اورنگ آبادی کی شاعرانہ خصوصیات

15.4۔ عمومی جائزہ

15.5۔ فرہنگ

15.6۔ نمونہ امتحانی سوالات

15.7۔ مشقی سوالات

15.8۔ مشقی سوالات کے جوابات

15.9۔ امدادی کتب

15.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ سراج اورنگ آبادی کی شعری خدمات اور ادبی کارناموں کو گہرائی سے سمجھ

سکیں اور یہ جان سکیں کہ انہوں نے اردو شاعری میں کس نوعیت کی جدت اور فکری وسعت پیدا کی۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ ان کی شاعری میں تصوف، عشق اور داخلی کیفیات کس طرح ایک مربوط اور بامعنی انداز میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اس قابل بھی ہو جائیں گے کہ سراج کی شاعری کے بنیادی موضوعات جیسے عشقِ حقیقی، روحانی تجربات، جذب و مستی اور انسانی باطن کی کیفیتوں کا تجزیہ کر سکیں، اور یہ واضح کر سکیں کہ ان کا کلام محض ظاہری حسن و عشق تک محدود نہیں بلکہ ایک گہری روحانی معنویت رکھتا ہے۔ مزید برآں آپ یہ صلاحیت حاصل کریں گے کہ ان کے اسلوبِ بیان، زبان کی سادگی، تاثیر اور موسیقیت کو پہچان سکیں اور یہ جان سکیں کہ انہوں نے فارسی اور اردو عناصر کو کس طرح برتا۔ آپ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ ان کے دیوان، منتخبِ دیوان اور مثنوی "بوستانِ خیال" جیسی تصانیف اردو ادب میں کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ اس مطالعے کے ذریعے آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ سراج اورنگ آبادی کے اردو ادب میں مقام کا تعین کر سکیں، ان کی شعری خدمات کے اثرات کو بیان کر سکیں اور یہ وضاحت کر سکیں کہ انہوں نے دکنی روایت کو کس طرح آگے بڑھایا اور اردو شاعری کو روحانی اور فکری گہرائی عطا کی۔

15.1۔تعارف:۔

سراج اورنگ آبادی کی شاعری میں تصوف، اخلاقی فکر اور روحانی گہرائی نمایاں ہے۔ سراج اورنگ آبادی اردو ادب کے ایک اہم صوفی شاعر تھے، جن کی شعری خدمات نہایت نمایاں اور منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے دکنی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اردو شاعری میں روحانیت، داخلیت اور فکری گہرائی کو فروغ دیا۔ ان کی شاعری محض ظاہری حسن و عشق تک محدود نہیں بلکہ اس میں انسانی باطن، روحانی تجربات اور تصوف کے لطیف مضامین بھی شامل ہیں۔ سراج اورنگ آبادی کی شعری خدمات کا مطالعہ ہمیں اس بات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو کس طرح ایک نئے فکری اور روحانی زاویے سے روشناس کرایا۔ ان کے کلام میں جذب، مستی، عشقِ حقیقی اور باطنی کیفیات کا گہرا اثر پایا جاتا ہے، جو انہیں دوسرے شعرا سے ممتاز بناتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی شاعری کی اور ایک بڑا شعری سرمایہ چھوڑا۔ ان کا اردو دیوان ہزاروں اشعار پر مشتمل ہے، جب کہ فارسی کلام کے انتخاب "منتخبِ دیوانہا" سے ان کے بلند ذوق اور تنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مثنوی "بوستانِ خیال" ان کی شعری اور صوفیانہ عظمت کی ایک اہم مثال ہے، جس میں انہوں نے گل و بلبل کی تمثیل کے ذریعے معرفت اور روحانی حقائق کو بیان کیا ہے۔ ان کی شاعری کا اسلوب سادہ مگر پُراثر ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی سوز و گداز اور تاثیر پائی

جاتی ہے، جو قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔اسی لیے سراج اورنگ آبادی کی شعری خدمات اردو ادب میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔مختصر یہ کہ سراج اورنگ آبادی کی شعری خدمات اردو شاعری کو نہ صرف وسعت دیتی ہیں بلکہ اسے روحانیت،فکری گہرائی اور معنوی حسن سے بھی مالا مال کرتی ہیں۔

15.2۔سراؔج کی شعری خدمات:۔

سراؔج کا کل سرمایہ ایک کلیات کی شکل میں محفوظ ہے۔ جسے پہلی بار عبدالقادر سروری نے ترتیب دے کر شائع کیا تھا۔ان کی کلیات مثنوی ،قصیدہ،غزل، رباعی،مستزاد،مخمسات،ترجیح بند اور مناجات پر مشتمل ہے۔کلیات کے علاوہ انہوں نے ’’منتخب دیوانہا‘‘ کے نام سے فارسی شعرا کے کلام کا ردیف وار انتخاب بھی کیا ہے۔ جو ان کا آخری کارنامہ ہے۔کلیات سراؔج کی پہلی اشاعت 1940ء میں پروفیسر عبدالقادر سروری کے طویل مقدمے کے ساتھ ہوئی۔اس کا متن مختلف نسخوں سے تقابل اور تصحیح کے بعد تیار کیا گیا ہے۔جس میں بنیادی حیثیت عبدالرسول خاں کے مرتبہ نسخہ 1152ھ کو حاصل رہی ہے۔ یہ نسخہ دراصل سراؔج کی زندگی میں لکھا گیا تھا اور سراؔج کے مطالعہ میں رہ چکا تھا۔کلیات سراؔج مرتبہ عبدالقادر سروری میں 11 مثنویات،508 غزلیات، 30 فردیات، ۹ رباعیات، 10 قصیدہ،5 مستزاد،11 مخمسات،۱۰ ترجیع بند اور 4 مناجات شامل ہیں۔جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سراؔج نے ہر شعری صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ عبدالقادر سروری نے جو مقدمہ لکھا ہے اس سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں سراؔج اورنگ آبادی کے حالات زندگی اور مختلف تذکروں میں ان کے ذکر کا جائزہ پیش کیا ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں سراؔج اورنگ آبادی کی شاعری اور ان کی انفرادی خصوصیات پر گفتگو کی ہے۔سراؔج اور ان کی شاعری پر سب سے پہلے جس تذکرہ نگار نے توجہ دی وہ میر تقی میؔر ہیں۔لیکن میؔر نے بھی ’’نکات الشعرا‘‘ میں سراؔج سے متعلق چند سطریں ہی لکھی ہیں۔اور منتخب کلام کے طور پر ان کے 13 اشعار پیش کیے ہیں۔ میر تقی میؔر کے بعد مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں سراؔج کو جگہ دی ہے۔لیکن ان سے سراؔج کی زندگی کی مکمل معلومات حاصل نہیں ہوتی۔مگر ان میں ایک تذکرہ ایسا بھی ہے جس کا مصنف (افضل بیگ خاں قاشقال) نہ صرف سراؔج کا ہم وطن ہے بلکہ ان کا ہم اثر بھی ہے۔جس نے اپنے تذکرہ ’’تحفۃ الشعرا‘‘ میں سراؔج کی جتنی تفصیلات جمع کر دی ہیں وہ کسی دوسرے تذکروں میں نہیں ملتی۔عبدالقادر سروری نے سراؔج اورنگ آبادی کی شاعری کے آغاز اور عروج کا زمانہ ۱۱۴۶ھ یا ۱۱۴۷ھ خیال کیا

ہے اور ۱۱۵۱ھ یا ۱۱۵۲ھ اور ۱۱۴۹ کے درمیانی عرصے کو ان کے شاعری ترک کر دینے کا زمانہ تسلیم کیا ہے۔

اردو شعر و ادب میں سراؔج کی شہرت کا باعث اردو غزل بنی سراؔج دکن میں وؔلی کے بعد سب سے بڑے شاعر ہیں۔ سراؔج کی غزلوں میں جذبہ عشق کو شدت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں بڑا کیف اور وارفتگی ہے۔ سراؔج کی غزلوں کی زبان ان کے بہت سے ہم عصروں کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے۔ یعنی اس میں مقامی دکنی اثرات کم ہیں اور فارسی طرز کی چھاپ گہری ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اسلوب بیان ہندوستانی اور ایرانی عناصر کے دلکش امتزاج کا نتیجہ ہے۔ فارسی زبان و ادب پر ماہرانہ قدرت اور قدیم دکنی شاعری کی بنیادی رجحانات سے وابستگی نے ان کے کلام کو ایک رچی ہوئی کیفیت اور ایسا رنگ بخشا ہے کہ سراؔج کی شاعری اردو غزل کی ایک منفرد آواز بن گئی۔ سادگی بیان، سوز و گداز اور تاثر کی فراوانی سراؔج کی غزلوں کا نمایاں وصف ہے۔ سراؔج صوفیانہ جذبات رکھنے والے شاعر تھے۔ البتہ وہ تصوف کو عشق و محبت کی زبانی بیان کرتے تھے۔ ان کی غزلوں کا اصل محور عشق ہے۔ جس میں وہ اپنے محبوب سے براہ راست مخاطب ہوتے ہیں نمونہ کلام دیکھیے :-

اے جان سراج ایک غزل درد کی سن جا
مجموعہ احوال ہے دیوان ہمارا

میں وقت پا کے اس کو سناؤں گا یہ غزل
درد دل سراؔج مگر کچھ اثر کرے

راہ خدا پرستی اول ہے خود پرستی
ہستی میں نیستی ہے اور نیستی میں ہستی

سراؔج کے یہاں دکنی شعرا کے برعکس داخلی جذبات کی ترجمانی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے یہاں روحانی کیفیات، فلسفہ، تصوف، دنیا کی بے ثباتی کا ذکر اور بلند اخلاقی معیار بھی ہے۔ اردو شاعری کو مقبول بنانے میں ان کا مقام وؔلی سے کم نہیں۔ بلکہ انہیں وؔلی کا جان نشین تسلیم کیا

جاتا ہے۔ وہ خود ولؔی سے استفادہ کا ذکر کرتے ہیں، لیکن خود کو ان کا مقابل نہیں سمجھتے۔ ''کلیات سراؔج'' کے مئولف عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:۔

''آخری زمانے میں سراؔج کی ہستی نہایت مقدس اور محترم ہو گئی تھی۔ عوام اور خاص ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ سارا شہران کا معتقد تھا اوران کی شاعری اور بزرگی دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے مریدوں اور شاگردوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ وہ لوگ جوان کی جوانی کی زندگی کو کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اب ان کے سامنے خود بخود جھک جاتے تھے۔''

تصوف کے ساتھ ساتھ سراؔج کی غزلوں میں عشق کی جھلک بھی ملتی ہے۔ سراؔج اورنگ آبادی نے اپنی ساری زندگی عشق و محبت کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا پورا کلام عشق کی مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پہلے وہ عشق مجازی میں گرفتار تھے لیکن بعد میں انھوں نے خود کو خالق کائنات یعنی خدائے واحد کے عشق میں گھر کر لیا تھا۔ گویا سراؔج کی شخصیت کے سبھی پہلوؤں کا بنیادی وصف عشق اور جمال پرستی ہے۔ سراؔج اورنگ آبادی دکن کے ایسے آخری شاعر ہیں جنھوں نے اپنے کلام کے ذریعے اردو شاعری کو عشقیہ جذبات کی وسعت کے ساتھ زبان و بیان کی سادگی، بلند خیالی اور پاکیزگی بخشی ہے۔ ان کا رنگ تغزل ولؔی کے رنگ تغزل سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن عشقیہ مضامین کی پیشکش میں دونوں بالکل مختلف ہیں۔ بقول محمد حسن:۔

''ولؔی مطرب عشق ہیں تو سراؔج نوح خوان عشق اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ولؔی نے جمال عشق دیکھا تھا اور سراؔج نے جلال عشق''۔ سراؔج اورنگ آبادی عشق کی تہذیب سے اچھی واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب کی قدروں سے بھی آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ سراؔج نے عشق تو کیا لیکن بوالہوسی کو کبھی حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ عشق میں وحدت کے قائل تھے اور اسی وحدت کے تحت ان کے یہاں عشق حقیقی اور عشق مجازی کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اردو شاعری میں آج بھی سراؔج کا رنگ اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ سراؔج کی سب سے زیادہ مقبول ہونے والی عشقیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:۔

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بکھیا گری رہی نہ جنوں کی پردہ داری رہی

دیگر عشقیہ اشعار:-

شعلہ روح جام بکف بزم میں آتا ہے سراؔج
گردن شمع کو کیا باک ہے ڈھل جانے کا

وحشی ہوا ہوں دلبر گل رو کی چشم کا
کیا کام میرے سامنے آہو کی چشم کا

میں نہ جانا تھا کہ تو یوں بے وفا ہو جائے گا
آشنا ہو اس قدر آشنا ہو جائے گا

وصل کے دن شب ہجراں کی حقیقت مت پوچھ
بھول جاتی ہے مجھے صبح پھر شام کی بات

آتی ہے تجھے دیکھ کے گل روکی گلی یاد
اے بلبل بے تاب مجھے اپنا وطن بول

ڈاکٹر جمیل جالبی نے سراؔج کی عشقیہ شاعری کی عظمت کا جس طرح اعتراف کیا ہے اور انہیں انگریزی شاعر لینگ لینڈ کی طرح عشقیہ روایت کا بانی قرار دیا ہے یہ بات اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ سراؔج اس غزل کے آخری عالم بردار ہیں جو تقریباً تین صدیوں تک دکن میں فروغ پاتی رہی۔ فیرؔوز اور محمؔود سے لے کر وؔلی اور سراؔج تک غزل کی یہ روایت کئی منزلیں طے کرتی رہی ۔سراؔج کے بعد دکنی شاعری کے بنیادی رجحانات اور تہذیبی روایات میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کی جگہ فارسی شاعری کے اثرات

نے لے لی۔1700ء کے بعد اردو غزل ولیؔ کے ساتھ شمالی ہند کا رخ کرتی ہے، جہاں فارسی شاعری کے اثر سے اردو میں نئی غزل گوئی کا آغاز ہوتا ہے۔

سرگرمی! اپنی پیش رفت جانچیں۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے سراؔج کی شعری خدمات کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے حصہ 15.8 سے رجوع کریں

خالی جگہ پر کیجیے:۔

ا۔ سراؔج اوران کی شاعری پر سب سے پہلے جس تذکرہ نگار نے توجہ دی وہ ________ ہیں۔

۲۔ کلیات سراؔج مرتبہ عبدالقادر سروری میں 11 مثنویات اور __________ غزلیات ہیں۔

۳۔ ________ نے اپنے تذکرہ ''تحفۃ الشعرا''میں سراؔج کی جتنی تفصیلات جمع کردی ہیں وہ کسی دوسرے تذکروں میں نہیں ملتی۔

۴۔ کلیات سراؔج کی پہلی اشاعت 1940ء میں ______________ کے طویل مقدمے کے ساتھ ہوئی۔

سراج اورنگ آبادی کی شاعرانہ خصوصیات سراج اورنگ آبادی اردو ادب کے اہم صوفی شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ان کی شاعری میں تصوف،عشقِ حقیقی،سادگی اور فکری گہرائی نمایاں طور پر موجود ہے۔انہوں نے اپنی زندگی کے تجربات اور روحانی واردات کو نہایت سادہ مگر پر اثر انداز میں پیش کیا۔سراج کی شاعری محض الفاظ کا کھیل نہیں بلکہ ایک باطنی کیفیت اور روحانی سچائی کی ترجمان ہے۔

تصوف کا رنگ: سراج اورنگ آبادی کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت اس میں موجود تصوف کا گہرا اثر ہے۔ان کے کلام میں دنیا کی ناپائیداری اور اللہ کی محبت کا درس ملتا ہے۔وہ دنیاوی خواہشات سے کنارہ کشی اور روحانی پاکیزگی پر زور دیتے ہیں۔ان کے نزدیک اصل کامیابی انسان کے نفس پر قابو پانے اور خدا سے تعلق مضبوط کرنے میں ہے۔ان کے اشعار میں بار بار یہ پیغام ملتا ہے کہ انسان کو اپنی خواہشات کو ترک کر کے روحانیت کی طرف بڑھنا چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ایک خاص سنجیدگی اور وقار نظر آتا ہے۔

عشقِ حقیقی کی ترجمانی: سراج کی شاعری میں عشق ایک اہم موضوع ہے، مگر یہ عشق محض دنیاوی نہیں بلکہ عشقِ حقیقی ہے۔ وہ خدا کی محبت کو سب سے اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی عاشق وہی ہے جو اپنی ذات کو مٹا کر محبوبِ حقیقی میں فنا ہو جائے۔ ان کے اشعار میں عشق کی شدت، تڑپ اور قربانی کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ وہ عشق کو ایک ایسی آگ قرار دیتے ہیں جو انسان کو پاک اور کامل بنا دیتی ہے۔

سادگی اور سلاست: سراج اورنگ آبادی کی زبان نہایت سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔ انہوں نے مشکل اور پیچیدہ الفاظ کے بجائے آسان اور دلنشین زبان کا استعمال کیا ہے۔ یہی سادگی ان کی شاعری کو ہر طبقے کے لیے قابلِ فہم بناتی ہے۔ ان کے اشعار میں الفاظ کی بناوٹ سادہ ہونے کے باوجود معنی بہت گہرے ہوتے ہیں۔ وہ کم الفاظ میں زیادہ بات کہنے کا ہنر رکھتے ہیں، جو ان کی فنی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔

فکری گہرائی اور معنویت: سراج کی شاعری میں فکری گہرائی پائی جاتی ہے۔ ان کے اشعار محض جذباتی نہیں بلکہ ان میں زندگی، کائنات اور انسان کے بارے میں گہری سوچ موجود ہے۔ وہ قاری کو غور و فکر پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں انسان کی بے ثباتی، دنیا کی حقیقت اور آخرت کی تیاری جیسے موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں، جو ان کی شاعری کو ایک سنجیدہ اور بامقصد رنگ دیتے ہیں۔

اخلاقی اور اصلاحی پہلو: سراج اورنگ آبادی کی شاعری میں ایک مضبوط اخلاقی اور اصلاحی پہلو بھی موجود ہے۔ وہ انسان کو اچھے اخلاق اپنانے، سچائی اور دیانتداری پر قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں نصیحت کا عنصر بھی ملتا ہے، مگر یہ نصیحت خشک نہیں بلکہ دل میں اتر جانے والی ہوتی ہے۔ وہ انسان کو غرور، لالچ اور حسد جیسی برائیوں سے بچنے اور عاجزی اختیار کرنے کا درس دیتے ہیں۔

داخلی کیفیت اور سوز و گداز: سراج کی شاعری میں داخلی کیفیت اور سوز و گداز نمایاں ہے۔ ان کے اشعار دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ان میں ایک خاص درد، تڑپ اور خلوص پایا جاتا ہے جو قاری کو متاثر کرتا ہے۔ یہ سوز و گداز دراصل ان کی روحانی زندگی اور تجربات کا نتیجہ ہے، جو ان کی شاعری کو پراثر اور جاندار بنا دیتا ہے۔

نتیجہ: مختصر یہ کہ سراج اورنگ آبادی کی شاعری تصوف، عشقِ حقیقی، سادگی، فکری گہرائی اور اخلاقی تعلیمات کا حسین امتزاج ہے۔ ان کا کلام نہ صرف ادبی لحاظ سے اہم ہے بلکہ روحانی اور اخلاقی اعتبار سے بھی بڑی قدر رکھتا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایک نیا رخ دیا اور اپنی منفرد اسلوب کے ذریعے ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔

ان کی شاعری آج بھی قاری کو نہ صرف محظوظ کرتی ہے بلکہ اسے بہتر انسان بننے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔

15.3۔سراؔج کی غزلوں کے کچھ بہترین اشعار ملاحظہ کیجیے:۔

غیرکو بار نہ دو اپنی گلی کا ہرگز
گلشن خلد میں کچھ کام نہیں خاروں کو

عشق نہیں زاہدوں کی قسمت میں
حرف تقدیر کو نہیں تبدیل

جل گیا شوق کے شعلوں میں سراؔج
اپنی دانست میں بے جا نہ کیا

اے سراؔج ہر مصرع درد کا سمندر ہے
چاہے سخن میرا آگ میں جلا دیجئے

اگن میں ہجر کی جلتا ہوں سدا جاناں
جلال وصل سیں یہ آگ آ بجا جاناں

ہجر کی شب میں نہیں ہے تاب و طاقت اے سراؔج
کون سا دن ہے کہ جس میں لا لہ و زاری نہیں

15.4۔عمومی جائزہ:۔

سراؔج کی شاعری اردو غزل کی ابتدائی مگر نہایت اہم روایت کی نمائندہ ہے جس میں دکن کی فضا، مقامی لب ولہجہ اور فارسی اثرات ایک ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ان کے کلام میں عشق بنیادی موضوع کے طور پر سامنے آتا ہے لیکن یہ عشق صرف جذباتی واردات نہیں بلکہ اس کے ساتھ تصوف کی گہرائی، اخلاقی تربیت اور انسانی باطن کی پاکیزگی کا تصور بھی جڑا ہوا ہے۔سادہ اور عام فہم زبان ان کا خاص وصف ہے جس میں دکنی الفاظ، روزمرہ محاورے اور فارسی ترکیبیں باہم مل کر ایک دلکش آہنگ پیدا کرتی ہیں۔ان کے اشعار میں داخلی کیفیات، دردوسوز، ہجر ووصال کی کیفیتیں اور روحانی لگاؤ ایک نرم اور پر اثر انداز میں بیان ہوتے ہیں۔ساتھ ہی زندگی کی ناپائیداری، دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی اصلاح کا پہلو بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔سراج کی شاعری بناوٹ اور تصنع سے پاک، سادگی اور سچائی کی حامل ہے جس میں جذبے کی شدت کے ساتھ فکری سنجیدگی بھی موجود ہے۔مجموعی طور پر سراؔج کا کلام دکنی روایت اور بعد کی اردو غزل کے درمیان ایک مضبوط پل کی حیثیت رکھتا ہے جو زبان کی سلاست، خیال کی پاکیزگی اور صوفیانہ رنگ کے باعث اردو شاعری کی تشکیل وارتقا میں اہم سنگِ میل ثابت ہوتا ہے۔

15.5۔فرہنگ:۔

مناجات:۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا

متن :۔ کسی کتاب، مضمون یا دستاویز کی اصل عبارت

وارفتگی :۔ بے خودی، بے ہوشی

معتقد:۔ کسی فرقہ کا ماننے والا، قائل

15.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔سراؔج اورنگ آبادی کی شاعری کی نمایاں خصوصیات کیا ہے؟

۲۔سراؔج اورنگ آبادی کی شاعری میں تصوف اور اخلاقی اقدار کا کیا کردار ہے؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کریں۔

15.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔سراج کی شاعری کے بنیادی موضوعات اور نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

سوال۔۲:۔سراج کی شاعری اردو غزل کی روایت میں کیا اہمیت رکھتی ہے؟

15.8۔جواباتِ سرگرمی / مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔سراؔج کی شاعری میں عشق،تصوف،اخلاقی اصلاح اور انسانی باطن کی پاکیزگی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کا انداز سادہ، پراثر اور دکنی و فارسی عناصر کے حسین امتزاج سے عبارت ہے۔

جواب ۔۲:۔ سراؔج کا کلام دکنی روایت اور بعد کی اردو غزل کے درمیان ایک مضبوط پل کا کام دیتا ہے۔ اس میں زبان کی سلاست، صوفیانہ رنگ اور فکری سنجیدگی نے اردو شاعری کے ارتقا کو سمت دی۔

جواباتِ سرگرمی

۱۔ میر تقی میر

۲۔ ۸۰۵

۳۔ افضل بیگ خاں قاقشال

۴۔ پروفیسر عبدالقادر سروری

15.9۔ امدادی کتب:۔

۱۔ عبدلقادر سروری　　سراؔج اوران کی شاعری، جامعہ عثمانیہ

۲۔ معیاری ادب نمبر　　انتخاب سراؔج اورنگ آبادی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۱۹۶۹ء

MODEL QUESTION PAPER
FOR
M.A.URDU

Semester :- I

Session :-2025 Onwards

COURSE-NO.URD102
(Daccani Literature)

TimeAllowed:- 2½hours MaximumMarks:-70

نوٹ: تمام سوالوں کے جواب مطلوب ہیں۔ نمبر ہر سوال کی سامنے درج ہیں۔

سوال نمبر۔۱ دکن میں اردو زبان کے سماجی و معاشرتی محرکات پر روشنی ڈالئے۔ 7

یا

دکنی اردو کی لسانی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

سوال نمبر۔۲ بہمنی دور میں اردو کے ارتقاء پر روشنی ڈالئے۔ 7

یا

عادل شاہی دور میں اردو کے ارتقاء پر روشنی ڈالئے۔

سوال نمبر۔۳ دکن میں اردو مثنوی پر ایک مفصل نوٹ تحریر کیجئے۔ 14

یا

دکن میں قصیدہ اور مرثیہ کے آغاز و ارتقاء پر روشنی ڈالئے۔

سوال نمبر۔۴ دکن میں اردو داستان کے آغاز و ارتقاء پر اظہار خیال کیجئے۔ 7

یا

دکن میں اردو غزل کس طرح پروان چڑھی، مدلل بحث کیجئے۔

سوال نمبر۵۔ سراج اورنگ آبادی کی غزل گوئی پر ایک نوٹ قلمبند کیجئے۔ 14

یا

ولی دکنی کی حیات اور شعری خدمات کا جائزہ لیجئے۔

سوال نمبر۶۔ سراج اورنگ آبادی کی حالاتِ زندگی پر ایک نوٹ لکھئے۔ 7

یا

قطب شاہی دور میں اردو کے ارتقاء پر ایک نوٹ قلمبند کیجئے۔

سوال نمبر۔۷ تمام معروضی سوالات لازمی ہیں۔نمبر مساوی ہیں۔ 14

(i) کس حکمران نے دکنی کے بجائے دیوگری کو اپنا دارالسلطنت بنایا؟

(الف) علاء الدین خلجی (ب) محمد بن تغلق

(ج) علاء الدین بہمن (د) علی عادل شاہ

(ii) اشرف بیابانی کی مثنوی کی نشاندہی کیجئے

(الف) نورسرہار (ب) پھول بن

(ج) گلشن عشق (د) طوطی نامہ

(ii) گلشنِ عشق کس کی مثنوی ہے؟

(الف) اشرف بیابانی (ب) باجی

(ج) نصرتی (د) رستمی

(iii) ذیل میں قطب شاہی دور کا شاعر کون ہے؟

(الف) اشرف بیابانی (ب) باجی

(ج) نصرتی (د) رستمی

(iv) اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر کس کو کہا جاتا ہے؟

(الف) امیر خسرو (ب) قلی قطب شاہ

(ج) ولی دکنی (د) مرزا غالب

(v) اردو کی سب سے طویل مثنوی کس نے لکھی ہے؟

(الف) اشرف بیابانی (ب) باجی

(ج) نصرتی (د) رستمی

(vi) ولی دکنی کی ملاقات دلی میں کس سے ہوئی تھی؟

(الف) سید سعداللہ گلشن (ب) غالب

(ج) حسرت (د) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں

(vii) عادل شاہی سلطنت کے آخری بادشاہ کون تھے؟

(الف) علی عادل شاہ (ب) سکندر

(ج) ابراہیم عادل شاہ (د) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں

(viii) اردو کی پہلی مثنوی کا نام بتایئے

(الف) پھول بن (ب) علی نامہ

(ج) یوسف زلیخا (د) قدم راو پدم راو

(ix) ملا وجہی نے کتنے بادشاہوں کا دور دیکھا؟

(الف) ایک (ب) دو

(ج) تین (د) چار

(x) علمِ موسیقی میں کس شاعر کو دسترس تھی؟

(الف) ابراہیم عادل شاہ (ب) وجہی

(ج) نشاطی (د) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں

(xi) اردو کی پہلی داستان کی نشاندہی کیجیے۔

(الف) قطب مشتری (ب) پھول بن

(ج) سب رس (د) اِن میں سے کوئی نہیں

(xii) ذیل میں قطب شاہی دور کا شاعر کون ہے؟

(الف) اشرف بیابانی (ب) باجی

(ج) نصرتی (د) رستمی

Course Contributors and Content Editing:

Prof. Mohd. Reyaz Ahmad
Professor, Department of Urdu
University of Jammu

Dr. Parshotam Paul Singh
Assistant professor in Urdu. CDOE, Jammu
CDOE, University of Jammu, Jammu 2025

Content Editing:

Dr. Parshotam Paul Singh
Assistant professor in Urdu. CDOE, Jammu
CDOE, University of Jammu, Jammu 2025

© Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the CDOE, University of Jammu.
* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : Classic Printers/ 2026/50

CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU

SELF LEARNING MATERIAL
FOR
M.A. URDU
SEMESTER - I
SESSION - 2025 ON WARDS

SUBJECT: DACCANI LITERATURE UNIT I-IV
COURSE CODE URD - 102 LESSON: 1-14

PROF. (DR.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

DR. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE

http:/www.distanceeducationju.in
Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu
by the Director, CDOE, University of Jammu.